احناف کی تاریخی غلطیاں

محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ
محمد تنزیل

احناف کی تاریخی غلطیاں

مصنف

محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادیؒ

محمد تنزیل

الکتاب انٹرنیشنل

مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

نام کتاب	:	''احناف کی تاریخی غلطیاں''
مصنف	:	محمد احسن اللہ ڈیانوی، محمد تنزیل
سنہ طباعت	:	۲۰۰۵ء
تعداد	:	1100
ناشر	:	الکتاب انٹرنیشنل، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵
قیمت	:	60/-

ملنے کے پتے

الکتاب انٹرنیشنل F-50-B مرادی روڈ بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی۔۲۵

فہرست مضامین

نذر عقیدت

میں اپنی اس کتاب کو حضرت الامام جناب مولانا ولایت علی رحمۃ اللہ علیہ صادق پوری کے نام انتساب کر کے دلی مسرت محسوس کرتا ہوں۔ جنہوں نے بالاکوٹ کے خوں بیان حادثے کے بعد علم جہاد کو گرنے نہ دیا

بظاہر اس حادثے سے برصغیر کے جہاد کے متوالوں پر حسرت و یاس کے بادل چھا گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب انگریز بازی جیت گئے اور ایک بار پھر برصغیر پر باطل حاوی ہو جائے گا۔ اسلام کے متوالوں پر برصغیر کی سرزمین تنگ کر دی جائے گی — ایک بار پھر برصغیر پر بدعات اور شرکیہ رسوم چھا جائیں گے۔

مگر اس مرد حق نے جہاد راہ حق کا جو عہد وفا سیدین شہیدین سے کیا تھا، اسے پورا کیا اور کرتے ہی گیا۔ اس مرد درویش کے بھائیوں بھتیجوں اور رشتے داروں نے اس قافلہ حریت کو آگے بڑھایا اور بڑھاتے ہی گئے۔

صادق پور عظیم آباد کے اس رئیس زادے، لاکھوں کے مالک نے کتاب و سنت کے تمسک میں سب کچھ بھول بھال کر اپنی زندگی ریگستانوں، دریاؤں اور کوہساروں میں اسلام کی خاطر وقف کر دی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جسے اسلام سے محبت ہو جائے۔ اللہ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی جس کی زندگی کا مقصد بن جائے اسے پھر یاد ہی کیا رہے گا۔ وہ تو بس اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اللہ کا سچا شائق، سچا طلب گار۔

بالآخر ایک دن یہ مرد مجاہد ۲۲ [illegible] ۱۲۶۹ھ بمطابق ۵/نومبر ۱۸۵۲ء کو پیغام اجل کو لبیک کہہ کر تھانہ کے قبرستان میں ابدی نیند سو گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

بے شک اللہ وہ پاک ذات ہے، جسے چاہے عزت سے نواز دے۔

ازطرف

بندہ حقیر

محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی

۲۲/نومبر ۱۹۹۲ء کراچی

حرفے چند

از رشحات قلم: محترم جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب بھٹی مدظلہ العالی
صاحب تصانیف کثیرہ

برصغیر کی تحریک آزادی کے موضوع پر بہت سے حضرات نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اس اہم مسئلے کی مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اس خطہ ارض پر کم وبیش ڈیڑھ سو سال انگریزوں کی حکومت رہی اور اس اثناء میں متعدد تحریکیں اٹھیں جن کا مقصد اس سرزمین سے انگریزوں کو نکالنا اور یہاں کے باشندوں کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرنا تھا۔ ان تحریکوں ہی کا نتیجہ تھا کہ یہاں سے انگریزوں کی حکمرانی ختم ہوئی اور یہ پورا خطہ حریت و آزادی کی دولت بے پایاں سے بہرہ ور ہوا۔

برصغیر کی تحریکات آزادی کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس میں سب سے زیادہ حصہ مسلمانوں کا ہے۔ سراج الدولہ کی کوششیں، ٹیپو سلطان کی جدوجہد، بنگال کی فرائضی تحریک، جماعت مجاہدین کی تگ و تاز، نثار علی تیتو میر کی مساعی ۱۸۵۷ء کی بغاوت اور اس کے بعد کی متعدد تحریکوں کا تعلق مسلمانوں سے تھا۔ غیر مسلموں کا حصہ ان میں بہت کم ہے۔

مسلمانوں میں بھی زیادہ تر تحریکوں میں اہل حدیث مسلک سے وابستہ حضرات کی مساعی اوراق تاریخ میں ابھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ بنگال میں جاری ہونے والی تحریکوں میں اہل حدیث نے بہترین خدمات سرانجام دیں اور مجاہدین کی تحریک میں جو ۱۸۲۲ء سے ۱۹۴۷ء تک جاری رہی، اہل حدیث سرگرم عمل رہے، ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں کثیر تعداد میں اہل حدیث شامل

تھے جن میں حضرت سید میاں نذیر حسین دہلوی، مولانا احمد اللہ اور مولانا عبدالجلیل علی گڑھی کے اسمائے گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔ اس جدوجہد کو جن حضرات علماء نے جہاد قرار دیا اور اس ضمن میں جولائی ۱۸۵۷ء میں فتویٰ جاری کیا اور اس پر دستخط ثبت فرمائے، وہ چونتیس علمائے کرام تھے، اس فہرست میں حضرت میاں صاحب کا نام نامی سرفہرست ہے۔ یہ فہرست اس دور کے دہلی کے دو اخباروں میں شائع ہوئی تھی ایک اخبار کا نام ''ظفر الاخبار'' اور دوسرے کا نام ''صادق الاخبار'' تھا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس جرم میں گرفتار ہوئے اور ایک سال راولپنڈی جیل میں قید رہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت نے بغاوت کے مقدمات بھی اہل حدیث علماء وزعماء پر قائم کیے۔ برصغیر کی سیاسی تاریخ میں یہ مقدمات ''وہابی مقدمات'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان میں پہلا مقدمہ مئی ۱۸۶۴ء میں، دوسرا ۱۸۶۵ء میں تیسرا اور چوتھا ۱۸۷۰ء میں اور پانچواں مقدمہ بغاوت ۱۸۷۱ء میں قائم ہوا۔ اس طرح ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۱ء تک صرف سات سال کے عرصے میں بغاوت کے پانچ مقدمات قائم کیے گئے اور ان میں ماخوذ بزرگوں کو ''کالا پانی'' بھیجا گیا۔ صحیح لفظوں میں کہنا چاہیے کہ کالا پانی سب سے پہلے ان اہل حدیث قیدیوں کی وجہ سے آباد ہوا، جنہیں انگریز حکومت نے بغاوت کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ ان قیدیوں میں عظیم آباد (پٹنہ)، مالوہ، راج محل اور دیگر مقامات کے نہایت اونچے خاندانوں کے جلیل القدر اہل علم اور اصحاب ثروت حضرات شامل تھے۔ عظیم آباد (پٹنہ) کے اہل حدیث علمائے کرام کو سب سے زیادہ ہدف ستم بنایا گیا اور یہ اپنے دور کے بے حد معزز لوگ تھے۔

۱۹۱۹ء میں جمعیت علمائے ہند قائم ہوئی جو برصغیر کے علمائے کرام کی بہت بڑی علمی اور سیاسی تنظیم تھی، اس کا قیام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی تحریک وتجویز سے عمل میں آیا۔

مجلس احرار کے قیام میں بھی اہل حدیث کی سعی وکوشش کو بڑا دخل ہے۔ مولانا محمد داؤد غزنوی طویل عرصے سے تک اس کے سیکریٹری جنرل رہے۔

آزادی برصغیر کے لئے کانگریس اور مسلم لیگ میں اہل حدیث کے بہت سے حضرات نے شرکت کی اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔

بلا شبہ اس سلسلے میں اللہ کے فضل سے اہل حدیث کی خدمات کا سلسلہ نہایت وسیع ہے۔ لیکن بعض دیوبندی حضرات نے جس انداز میں ان کو ہدف تنقید ٹھہرایا ہے وہ انتہائی افسوس ناک اور واقعات کے قطعی خلاف ہے۔ اس معاملے میں تو یقیناً ایک سے زائد رائیں ہوسکتی ہیں کہ انہوں نے فلاں سیاسی جماعت میں کیوں شمولیت نہیں کی لیکن ان کی تگ و تاز کی نفی کرنا یا یہ کہنا کہ انہوں نے انگریزی حکومت کی حمایت کی تھی ہرگز قرین صحت نہیں۔ یہ نقطہ نظر حقائق سے اغماض برتنے اور واقعات سے عدم واقفیت کی بھی دلیل ہے اور اظہار تعصب کی بھی۔

اسی طرح قادیانیت کے بارے میں کسی اہل حدیث عالم کی مساعی کو مجروح کرنا حقیقت کے سراسر خلاف ہے واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اہل حدیث علماء نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کو چیلنج کیا اور اس پر کفر کا فتوی لگایا تھا۔ علمائے دیوبند نے بہت بعد میں اس بنیادی مسئلے کی طرف توجہ مبذول فرمائی تھی۔

ہماری عادت کسی سے لڑنے جھگڑنے کی نہیں ورنہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ کن کن دیوبندی علمائے کرام نے انگریزی حکومت کا ساتھ دیا اور کن کن موقعوں پر دیا۔ پھر ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت کے سلسلے میں کن دیوبندی اکابرین نے انگریزوں کی حمایت کی اور اسے جہاد قرار دینے والوں کو شدید ترین نقد وجرح کا نشانہ بنایا۔ اسی طرح بعض دیگر مسائل میں بعض مصالح کی رو سے یا بر بنائے تحقیق خاموشی کو ترجیح دی۔

یہاں ہم اہل حدیث حضرات سے بھی یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آمین، رفیع یدین وغیرہ

مسائل میں تو ان کا قلم خوب جولانیاں دکھاتا ہے لیکن اپنے اکابر علمائے کرام کے حالات اور تذکرے کے سلسلے میں بالکل ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ نہ ان کی سیاسی سرگرمیوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور نہ ان کی علمی اور تدریسی تگ ودو کو موضوع گفتگو ٹھہرایا جاتا ہے یہ بات البتہ کہیں کہیں پڑھنے میں آجاتی ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کی تحریک میں حصہ لیا تھا۔۔۔ بعض حضرات نے حصہ لیا ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ اب وہ مسلم لیگ ہے کہاں؟ وہ تو مدت ہوئی ختم ہو چکی۔ موجودہ ٹولے کو تو مسلم لیگ نہیں کہا جا سکتا۔

بہر حال زیر نظر کتاب کے فاضل مصنفین جناب مولانا محمد احسن اللہ اور عزیزی محمد تنزیل نے اپنے انداز میں ان بہت سے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو حضرات احناف کے بعض قلم کاروں کی طرف سے مسلک اہل حدیث کے اکابر علمائے کرام پر کئے جاتے ہیں۔ اپنے موضوع کی یہ ایک عمدہ اور سنجیدہ کوشش ہے۔ اس میں ہر اعتراض کا متانت اور ٹھنڈے دل سے جواب دیا گیا ہے۔ فاضل مصنفین نے علمائے احناف کا ذکر نہایت ادب اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ اگر قلم میں کہیں سختی کا پہلو دکھائی دے تو اسے ردعمل قرار دینا چاہئے۔ اس کے لائق تکریم مصنف بہت بڑے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے علمی اسلوب میں اظہار مدعا کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر اعتبار سے مفید رہے گا اور معلومات میں اضافے کا باعث ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کا انہیں بہتر اجر عطا فرمائے۔ آمین

محمد اسحٰق بھٹی

اسلامیہ کالونی۔ ساندہ۔ لاہور

۸ر جنوری ۱۹۹۸ء

تقریظ

از رشحات قلم: علامہ نور محمد صاحب مدظلہ العالی

استاذ جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی وامیر جماعت المجاہدین صوبہ سندھ

شیدائیان کتاب وسنت، حاملین وراثت انبیاء عاملین دین اسلام، داعیان توحید وسنت، ناقدین شرک وبدعت، دشمن دین کو بھسم کرنے والے، انگریز اور اس کے چاہنے والے ان کے غمگساروں کی ناک میں دم کرنے والوں کو مورد طعن و تشنیع ٹھہراتے ہوئے، بے سروپا کہانیاں گڑھ کر ان کے سر تھوپنے والے اور الزامات کی پرچار کرنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ شاید آپ یہاں اپنی دو کانیں چمکالیں اور دربار بھی سجالیں، لیکن اللہ رب العزت کی پکڑ آخرت میں شدید ہے "ان بطش ربک لشدید" باقی دنیا میں رسوائی وذلت ونکبت بھی کچھ بعید نہیں چونکہ وہ علیم وخبیر ہے اور اپنے بندوں کی رسوائی ہرگز گوارہ نہیں کرتا ہے لیکن وہ محافظ ونگہبان بھی ہے اور عادل ومنصف بھی اور مواخذہ کرنے کے اعتبار سے جبار وقہار بھی ہے۔ جس طرح وہ اپنے اور اپنے رسول ﷺ کی طرف جھوٹ اور کذب بیانی گوارا نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "من كذب متعمداً فليتبوا مقعده من النار" ترجمہ: (جس شخص نے عمداً میری طرف جھوٹ منسوب کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے) چنانچہ وہ کسی غیر پر بھی بہتان لگانا پسند نہیں کرتا ہے اور ایسی تحریک کے لوگ جو اپنی خصوصی پرہیز گاری کے لحاظ سے عمدہ ترین لوگ شمار کئے جاتے ہوں ان پر اتہام وہ اللہ رب العزت کیسے گوارا کرسکتا ہے۔ ویسے تو معترضین نے قرآن کی آیات کو معاف نہیں کیا اس کو بھی غلط مقاصد حاصل کرنے کے لئے اس میں تحریف کی، احادیث میں

تحریف کی، "ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء"..........تعصب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کو بھی معاف نہیں کیا "یعرفون کما یعرفون ابناء ھم"..........عناد وبغض کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام پر بھی الزام لگایا گیا۔

چنانچہ ہر دور کے علماء سوء کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ کہیں ہمارا شمار بھی ان علماء میں تو نہیں ہے۔

"سانپ اور بچھو ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے۔لیکن علماء دنیا پرست کبھی ایک جا اکٹھے نہیں ہو سکتے۔کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہتا ہے لیکن ادھر قصائی نے ہڈی پھینکی اور ادھر ان کے پنجے تیز اور دانت زہر آلود ہو گئے یہی حال ان سگان دنیا کا ہے ساری باتوں میں متفق ہو سکتے ہیں لیکن دنیا کی ہڈی جہاں سڑ رہی ہو وہاں پہنچ کر اپنے پنجوں اور دانتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے ان کا سرمایہ ناز علم حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا ہے اور اتباع سبل متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراط مستقیم پر چلاتا ہے بلکہ یکسر علم جدل اور خلاف ہے۔نفس پرستی اس کی کثافت کو خمیر دیتی ہے اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات کو اور زیادہ تیز تر کرتی رہتی ہے۔" (تحریک آزادی: ۲۲۰۔۲۲۱ طبع ۱۹۵۹ء)۔

ایک دوسرے مقام پر اہل حق کے طریق عمل کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"مذہب کے دوکانداروں نے جہل وتقلید اور تعصب وہوا پرستی کا نام مذہب رکھا ہے اور روشن خیال وتحقیق جدید کے عقل فروشوں نے الحاد و بے قیدی کو حکمت واجتہاد کے لباس فریب سے سنوارا ہے۔نہ مدرسہ میں علم ہے، نہ محراب مسجد میں اخلاص اور نہ میکدے میں رندان بے ریا۔ارباب صدق وصفا ان سب سے الگ ہیں اور سب سے پناہ مانگتے ہیں۔ان کی راہ دوسری ہے۔" (تحریک آزادی: ۲۱۷)۔

غلطیوں اور خطاؤں سے کوئی فرد بشر مبرا نہیں ہے الا انبیاء عظام علیہم السلام کے، لیکن اس کا ہرگز یہ معنی نہیں ہے کہ لوگ اچھے انسانوں کی تنقیص کرتے پھریں اور الزامات تراشتے رہیں۔ جن شخصیات کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے جس تحریک کے یہ بانی مبانی ہیں اس تحریک کے متعلق چند عظیم لوگوں کے تاثرات یہ ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دور ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا۔ توحید کی حقیقت نکھاری گئی۔ قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعوی کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی۔'' (مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند: ۳۵)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

''اگرچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ترکتازیوں کا سلسلہ پہلی صدی ہجری کے آخر ہی سے شروع ہوگیا تھا اور تیرہویں صدی ہجری تک جاری رہا۔ لیکن چند غیر معروف مستثنیات کی گنجائش رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحیح معنوں میں اسلامی جہاد اس سرزمین میں صرف ایک ہی مرتبہ ہوا تھا اور یہ وہی جہاد تھا جس کے امیر سید احمد بریلوی اور سپہ سالار حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ پہلی لڑائیاں نہ تو خالصۃ اللہ تھیں نہ ان کی تہہ میں خالص اسلامی سیرت تھی۔ نہ ان میں اسلامی قوانین جنگ کی پوری پابندی کی گئی اور نہ ان کے نتیجے میں خلافت الٰہیہ کبھی یہاں

قائم ہوئی اس لئے وہ بس لڑائیاں تھیں، جہاد فی سبیل اللہ نہ تھیں۔ لیکن پوری بارہ سو سال کی تاریخ میں یہ اللہ کے بندے ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے تمام نفسانی، قومی اور ملکی اغراض سے اور تمام جاہلی تعصّبات اور خواہشات سے پاک ہو کر صرف اس لئے جنگ کی کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون جاری ہو۔ فاسقین و فجار کی جگہ صرف صالحین کی فوج مرتب کی۔ جنگ و صلح دونوں حالتوں میں شریعت کے قوانین سے ذرہ برابر تجاوز نہ کیا اور جہاں ان کو حکمرانی کا موقع ملا وہاں بالکل خلفائے راشدین کے طرز کی حکومت کی۔ دینوی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا واقعہ پچھلی عظیم الشان فتوحات اور سلطنتوں کے مقابلے میں اتنا حقیر نظر آتا ہے گویا پہاڑ کے سامنے ایک رائی کا دانہ ہے لیکن اسلامی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو اس ملک میں اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ سب سے زیادہ درخشاں ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کی میزان میں ہندی مسلم قوم کے دوازدہ صد سالہ کارنامے میں جتنا حصہ خیر کے پلڑے میں رکھے جانے کے قابل ہوگا اس کا سب سے وزنی جز وہی ہوگا۔'' (تعارف جماعت مجاہدین: ۱۴)۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں کہ:

''سید صاحب نے جو مبارک جماعت تیار کی۔ خصوصیات میں سب سے نمایاں اور لائق ذکر بات اس کی جامعیت ہے اس میں جہاد اصغر (تزکیہ نفس) بھی تھا اور جہاد اکبر (جہاد و قتال) بھی، اللہ سے محبت بھی اللہ کا خوف بھی اللہ کے لئے محبت بھی، اللہ کے لئے نفرت بھی، زہد و عبادت بھی اور دینی حمیت اور اسلامی غیرت بھی، تلوار بھی اور قرآن بھی، عقل بھی اور جذبات بھی، گوشہ مسجد میں تسبیح و مناجات بھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر ''تکبیر مسلسل'' بھی۔ (جب ایمان کی بہار آئی: ۶۔۷)۔

یہ تحریک اب بھی اپنے ورثا رکھتی ہے۔ اگر تسلسل عمارت پر نظر دوڑائی جائے تو بات آسانی سے واضح ہو جائے گی۔ یہ تحریک سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا عبداللہ، مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی راہنمائی میں جاری رہی اور آج بھی غازی عبدالکریم خاں حفظ اللہ کی امارت میں متحد ہو کر اپنی منزل کی طرف سرگرداں ہے۔

اس تحریک کو کچلنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا گیا، چنانچہ اس تحریک کے اہم واقف کار مولانا محمد علی قصوری لکھتے ہیں کہ:

''مولانا ولایت علی صادق پوری اور ان کے برادر اصغر مولانا عنایت علی حضرت سید صاحب کے سچے جانشین تھے۔ ان لوگوں نے تقوی اور طہارت میں ایسی درخشاں مثالیں قائم کی ہیں کہ بلا مبالغہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میمنت مہد کے بعد کوئی جماعت جوش جہاد اور ایثار و قربانی کا ان سے بہتر نمونہ پیش نہیں کر سکتی۔ وہ اخلاق محمدی کا پیکر تھے اور اسلامی تعلیمات کی تصویر۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا اور ہندوستان میں ان کے خلاف ایک زبردست جماعت پیدا کرنا ان لوگوں کے وظائف حیات تھے۔ وہ سرتاپا صداقت اور ایثار مجسم تھے۔ عورتیں اپنے بچوں کو جہاد کے لئے وقف کر دیتی تھیں۔ اپنے زیور اور قیمتی کپڑے تک وہ خدا کی رہ میں دے دیتی تھیں کہ مجاہدین کے لئے ہتھیار خرید لئے جائیں۔ انگریز اس جماعت سے اس قدر خائف تھے کہ جب وہ سیاسی ہتھیاروں سے ان پر قابو نہ پا سکے تو وہابیت کا ڈھونگ کھڑا کیا گیا۔ اس جماعت کو وہابی کہہ کر بدنام کرنا شروع کیا تاکہ لوگوں کو اس کے ساتھ لگاؤ نہ رہے۔ چنانچہ بریلی کے ایک مولوی کو (غالباً اس کا نام غلام رسول تھا) ۵۰۰ روپیہ ماہوار پر ملازم رکھا اور اختیار دیا کہ جتنے مولوی چاہے ملازم رکھ لے ان سرکاری تنخواہ دار مولویوں کا ایک گروہ ملک کے گوشے گوشے میں

پھیل گیا اور مسجدوں اور پبلک جلسوں میں انہوں نے شاہ اسماعیل شہید کی تکفیر اور ان کی وہابیت کی تشہیر کرنی شروع کی۔ ان کے خلاف جھوٹے الزام تراشے گئے اور شاید روس نے سرمایہ دار ممالک کے خلاف اور سرمایہ دار ممالک نے روس کے خلاف اتنا جھوٹا اور اتنا زہریلا پروپیگنڈا نہ کیا ہوگا جتنا اس جماعت کے خلاف انگریز کے تنخواہ داروں نے کیا۔'' (مشاہدات کابل و یاغستان: ۹۷، ۹۸)۔

معترضین نے جو اعتراضات اس تحریک سے متعلق کئے ہیں اس کا جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمۃ اپنے آباء کی وراثت کے حقیقی متورث دکھائی دیتے تھے، پیرانہ سالی میں ان سے ملاقات ہوئی، خطبات جمعہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ بڑھاپے کی وادی میں داخل ہونے کے باوجود پہلی صف میں شریک ہونے کی تڑپ رکھتے تھے۔ تقوی اور پرہیزگاری کے آثار ان کے چہرہ پر نمایاں اور روشن تھے۔ زبان کی مٹھاس اور چاشنی خلیق انسانوں کی صف میں ان کو شامل کئے ہوئے تھی۔ اپنے دور کے صلحاء و اتقیاء اور محرکین تحریک اسلامی کی زندگیوں پر گہری نظر کے حامل دکھائی دیتے تھے۔ ان کی کتاب ''احناف کی تاریخی غلطیاں'' اس کی واضح دلیل ہے اور یہ کتاب جہاں ان کو اپنے آباء کا وارث حقیقی دکھاتی ہے ساتھ ساتھ ان میں صالحین اور قواد تحریکات اسلام کی محبت و الفت کی شیدائیت کا ثبوت بھی مہیا کرتی ہے۔ اس کتاب کی تکمیل سے قبل ہی وہ اپنے حقیقی مالک سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بقیہ تکمیل ان کے فرزند ارجمند محمد تنزیل صاحب نے کی۔ جو اپنی کم عمری کے باوجود انتہائی محنتی، بااخلاق اور خوش شکل نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے آباء واجداد کے لئے ذخیرہ آخرت کے ساتھ ساتھ ان کو صحیح معنوں میں ان کا وارث اور دین اسلام کا خدمت گار ثابت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اس کتاب میں تحریک جہاد کے جانبازوں، جانثاروں پر معترضین کے اعتراضات کے

جوابات انتہائی احسن طریق پر دیئے گئے ہیں۔ زبان تحریر شستہ استعمال کی گئی ہے۔ اور اخلاقی قدروں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جواب نہایت ہی مدلل پیراہن سے مزین ہے۔ تحریر اتنی عمدہ اور مضمون اتنا جاذب ہے کہ قاری کو پڑھتے ہوئے امید ہے کہ تھکن محسوس نہیں ہوگی۔ لیکن بعض طبیعتوں پر شاید گراں گذرے۔

تلخ نوائی میری اس چمن میں گوارا کر
کبھی زہر بھی کرتا ہے کار تریاقی

بہرحال آدمی کو حقیقت پسند ہونا چاہئے، عدل وانصاف کا ترازو قائم رکھنا چاہئے "اعدلوا اھو اقرب للتقوی" اللہ رب العالمین کے حضور پیشی کا تصور برقرار رکھنا چاہئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ

نور محمد

۹ر ستمبر ۱۹۹۷ء۔ کراچی

تقریظ

از رشحات قلم: مولانا قمر التوحید صاحب عظیم آبادی مدظلہ العالی

محمد احسن اللہ صاحب ڈیانوی عظیم آبادی مرحوم و مغفور سے میری شناسائی چند سالوں کی نہیں بلکہ برسوں کی تھی۔ وہ ایک باکردار و باعمل انسان اور مخلص اہل حدیث تھے ہمارے تعلقات کے استحکام میں یہ "اہل حدیثیت" کا جذبہ خوب کارفرما رہا۔

موصوف حضرت الامام علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں۔ جو تیرہویں و چودھویں صدی ہجری کے نامور عالم دین، ممتاز مفسر و محدث، فقیہہ مایہ ناز، یگانہ روزگار محقق اور اہل حدیث کے سرخیل تھے۔ جب کہ موصوف میرے پیر و مرشد سیدنا حضرت مولانا عبد الخبیر صاحب صادق پوری عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اعزہ میں سے بھی ہوتے ہیں، اس رشتے نے بھی ہمارے تعلقات کو مزید تقویت پہنچائی۔

موصوف کا علمی رجحان بھی خوب تھا، ہمارے درمیان گھنٹوں علمی موضوعات پر گفتگو ہوتیں، مختلف علمی مباحث زیر بحث آتے۔ میرے معزز دوست نہ صرف صاحب علم بلکہ صاحب قلم بھی تھے، طرز تحریر نہایت شاندار تھا۔ افسوس کہ میرے دوست کی تصنیفات علمیہ زیور طباعت و مرحلہ اشاعت سے محروم رہیں ورنہ آپ اردو زبان کے مایہ ناز ادیب ہوتے۔ آپ کی منجملہ دیگر تصانیف میں سے ایک تصنیف "احناف کی تاریخی غلطیاں" بھی ہے، جس کی تصنیف میں مشغول ہی تھے کہ پیغام اجل نے آلیا۔ ع

جی کے جی ہی میں رہے، ارمان سارے چل بسے

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی اور دلی مسرت ہوئی ہے کہ محمد احسن اللہ صاحب مرحوم ومغفور کے نوعمر صاحبزادے عزیزی محمد تنزیل سلمہ نے اس نامکمل تصنیف کی تکمیل کی، اسے کارآمد بنایا اور اب اس کی اشاعت کے خواہاں ہیں۔

گو کہ اس موضوع پر اب تک متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مگر بالخصوص یہ کتاب اپنے موضوع پر لکھی گئی گذشتہ کتابوں سے ذرا مختلف ومنفرد ہے میرے اس قول کی صداقت کا یقین اس کتاب کو پڑھ کر ہر اس شخص کو آ جائے گا جس نے کبھی وادیٔ تحقیق کی سیر کی ہو۔

یہ مختصر سا تعارف میں نے عزیزی محمد تنزیل سلمہ کی خواہش پر صفحہ قرطاس میں منتقل کیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے والد کی علمی تصانیف کی تکمیل اور مستقبل میں مزید علمی کام کرنے کی توفیق بخشے اور اپنے اسلاف کا صحیح جانشین بنائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

قمر التوحید (بہاری)

کچھ مصنف کے بارے میں

گو مصنف کتاب نہ کوئی عالم دین تھے اور نہ کسی مدرسے کی سند رکھتے تھے۔ البتہ یہ درست ہے کہ مصنف ایک اچھے علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، صاحب عون المعبود امام شمس الحق محدث ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ مصنف کے دادا بزرگوار تھے، جبکہ موصوف کا اہل صادق پور سے بھی خاندانی تعلق تھا۔ مصنف کتاب کی والدہ محترمہ مولانا محمد یعقوب بن علامہ حکیم ارادت حسین صادق پوری رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں۔ مصنف کتاب کے والد مولانا حافظ محمد ایوب ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین تھے، شیخ الکل سید نذیر حسین، شیخ حسین بن محسن یمانی، حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، مولانا اشرف الحق محمد اشرف ڈیانوی اور اپنے والد محدث ڈیانوی کے فیض یافتہ تھے۔ فقہ و حدیث پر عبور کامل رکھتے تھے، مگر افسوس کہ بہار زندگی کی صرف ۳۶ر بہاریں دیکھ کر راہی ملک عدم ہوئے۔

جب مصنف علیہ الرحمۃ نے اس دنیائے فانی میں آنکھ کھولی تو علم کی وہ شمع جسے صاحب عون المعبود نے بڑی محنت سے روشن کیا تھا بجھ چکی تھی، علم کی روایات دم توڑ چکی تھیں۔ ایسے حالات میں آپ پروان چڑھے اور شعور کی منزلیں طے کیں۔ چونکہ آپ اسلام کا ذوق وشوق رکھتے تھے اسی لئے بیشتر علماء کی صحبت میں رہے، جن علماء کی صحبت میں آپ رہے اور جن سے آپ مستفید بھی ہوئے ان میں مولانا تمنا عمادی مجیبی پھلواری (جو کہ رشتے میں آپ کے چچا تھے)، مولانا عبدالغفار صادق پوری (حقیقی ماموں)، مولانا حکیم محمد ادریس ڈیانوی (حقیقی چچا) اور مولانا حکیم عبدالخبیر صادق پوری (جو کہ رشتے میں آپ کے ماموں یا نانا تھے) رحمۃ اللہ علیہم نمایاں ہیں۔ یہ ان ہی علماء کا فیض تھا کہ آپ اسلام کا درد رکھتے تھے اور آپ کو اسلام سے خصوصی لگاؤ تھا۔

آپ کا نام محمد احسن اور کنیت ابوالمحاسن ہے، ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء کو ہرداس بگھہ (عظیم آباد۔ پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں نہایت کم عمری میں داغ یتیمی سے بھی آشنا ہوئے، ابھی کچھ ہی بڑے ہوئے تھے کہ والدہ کے سایہ شفقت سے بھی محروم ہوگئے۔ اس سے آپ کی زندگی میں پیدا ہونے والے اہم خلاء کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱۹۴۳ء میں پٹنہ مسلم ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ انٹر کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی گئے۔ مگر قسمت نے یاوری نہ کی اور کچھ ذاتی حالات کی نیرنگیوں کی وجہ سے بھی واپس آنا پڑا اور اس طرح یہ تعلیمی سلسلہ برقرار نہ رہ سکا آپ کے زمانہ طالب علمی کے دوستوں میں ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو جیسے مشاہیر حضرات شامل ہیں۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی آپ کا دور ابتلاء شروع ہوگیا۔ تمام عمر ہی مختلف نشیب وفراز سے واسطہ پڑتا رہا، مگر آپ نے صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

آپ میں دینی حمیت اور غیرت بھی تھی اور مسلک حقہ یعنی اہل حدیث سے بے انتہا محبت بھی، شاید یہی وجہ تھی کہ اس کتاب کی تصنیف کا کام عمل میں آیا۔ تاریخ اسلام پر آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ اسلام سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ عجز وانکساری میں اپنی مثال آپ تھے، شہرت سے ہمیشہ دور بھاگتے رہے، خودنمائی کا کوئی پہلو آپ کی زندگی میں نہ تھا۔

مبداء فیض نے آپ کو دردمند دل اور نظر کی گہرائی دونوں سے نوازا تھا۔ نہ صرف طرز تحریر بلکہ طرز فکر بھی کہیں بلند تھا۔ قدرت نے آپ کو کس فیاضی سے بے پناہ صلاحیتیں ودیعت کی تھیں۔ اگر کمی ہے تو وہ یہ کہ آپ اپنی صلاحیتوں کو منوانہ سکے۔ نہ قدرت ہی نے آپ کو موقع دیا۔ اپنے محدود وسائل میں آپ سے جو کچھ ہوسکا وہ آپ نے کیا۔ لیکن اب ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

آپ درحقیقت ''روشن راہوں کے مسافر'' تھے مگر افسوس کہ تاریک گلیاں آپ کا مقدر بنیں۔ اسلام کی خدمت کا کتنا عزم وحوصلہ اور جوش وجذبہ رکھتے تھے آپ مگر افسوس کہ اب

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

لوگوں کی اسلام سے دوری ایک آنکھ نہ بھاتی، چنانچہ "امر بالمعروف ونہی عن المنکر"، پر بھی مکمل طور پر عمل پیرا تھے۔ لوگوں کو اسلام کی سچی راہ دکھاتے اسلام کیا ہے اور وہ ہم سے کیا مطالبات رکھتا ہے، یہی پیغام وہ ہر کسی کو بتاتے۔ یہی وجہ تھی کہ بیشتر بھٹکے ہوئے مسلمان آپ کی تبلیغ سے متاثر ہوئے اور صحیح راستے پر گامزن ہو گئے۔

لیکن ان سب خوبیوں کے باوجود آپ میں کچھ کمزوریاں بھی تھیں، اس سے آپ ہرگز مبرا نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی غلطیوں کو درگذر فرمائے اور آپ کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

آپ کا انتقال ۴ ر اکتوبر ۱۹۹۵ء بوقت سہ پہر بروز بدھ کراچی میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولاد میں اپنے پیچھے چار صاحبزادے چھوڑے، جن میں محمد محاسن، محمد تحسین، محمد توصیف اور یہ خاکسار شامل ہے جو ہرگز اس کا اہل نہ تھا کہ آپ کا جانشین بنتا مگر

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

مجھ کم نصیب کو والد محترم سے جس قدر فیض حاصل کرنا چاہئے تھا، اتنا تو حاصل نہ کر سکا۔ مگر کوشش کروں گا کہ میں خود اسلام پر عمل کروں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کروں اور حصول علم کے لئے مشغول ہو جاؤں گا اس لئے کہ میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ

میراث پدر خواہی علم پدر آموز

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شاہراہ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ازطرف

محمد تنزیل

۷ر مئی ۱۹۹۶ء۔ کراچی

پیش لفظ

کتاب ''احناف کی تاریخی غلطیاں'' کی تصنیف کا کام جاری ہی تھا کہ والد محترم کو پیغام اجل نے آلیا۔ ان کی وفات کی وجہ سے اس دل کی جو کیفیت رہی اس کا بیان نہ لفظوں میں ادا کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تحریروں میں۔

جاتے ہوئے کہتے ہو کہ قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ایک مدت تک اس دل افسردہ پر غم اندوہ کے اثرات غالب رہے۔ لیکن ''وقت ہر زخم کا علاج ہے''۔ لمحات دنوں میں بدلتے گئے اور دن مہینوں میں، چنانچہ حسرت ویاس کے یہ بادل بھی چھٹتے چلے گئے۔ جب دل کے زخموں سے ذرا فراغت ہوئی تو ہم نے ''احناف کی تاریخی غلطیاں'' کی تصنیف کا کام ایک بار پھر شروع کر دیا، شخصیت بدل گئی مگر کتاب وہی ہے۔

اس کتاب کا موضوع محققین احناف کی تاریخی غلطیوں سے متعلق ہے، جن میں زیادہ تر غلطیاں سیدین شہیدین کی تحریک جہاد سے متعلق ہیں۔ جب کہ چند ایک دوسرے موضوعات بھی آ گئے ہیں۔

جبکہ احناف کا یہ الزام کہ ''اہل حدیث'' کوئی فرقہ جدید ہے اور یہ الزام کہ تحریک جہاد بالاکوٹ کے خوں پیاں حادثے (۱۸۳۱ء) کے بعد ہی ختم ہوگئی تھی۔ اس قدر مہمل ہے کہ اس کا جواب نہ دینا ہی بہتر سمجھا گیا، بھلا جس مسلک حقہ کی بنیاد آج سے ہزاروں سال پہلے خود کائنات کے امام، رحمۃ للعالمین جناب محمد ﷺ نے رکھی ہو کیا وہ فرقہ جدید ہوگا؟

اہل علم اور اہل تحقیق انصاف سے بتائیں کہ کیا تحریک جہاد نے بالاکوٹ کی وادی میں سسک سسک کر دم توڑ دیا تھا؟ کیا اس کے بعد کبھی ان وہابی مجاہدین نے اعلائے کلمۃ الحق کی آواز کو بلند نہیں کیا؟

گو کہ اس کتاب میں احناف کے تمام الزامات جو کے وہابیوں پر لگائے گئے ہیں قریب قریب مہمل اور انصاف و تحقیق سے گرے ہوئے ہیں، مگر جواب دینا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ کہیں یہ لوگ انصاف سے بے بہرہ اور تعصب میں اندھے ہو کر اس تاریخ سازی کو تاریخی حقیقت نہ بنادیں، سچ ہے کہ تعصب انسان کو ''صمٌ بکمٌ وعمیٌ'' بنادیتی ہے۔

اس کتاب کا انتساب ''امیر المجاہدین مولانا ولایت علی صاحب صادق پوری رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام ہے جنہوں نے اس تحریک جہاد کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے نئی زندگی دی تھی۔

اس کتاب کے سلسلے میں چند اہم امور واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں مثلاً اس کتاب میں بعض جگہوں پر معمولی ردو بدل بھی کی گئی ہے۔ چند جگہوں پر { } قوسین میں اضافے بھی کئے گئے ہیں۔ جبکہ اس کے علاوہ بعض تاریخی غلطیوں پر تنقید اس ناچیز ہی کے قلم سے کی گئی ہے ایسی تاریخی غلطیاں جن پر مکمل طور پر تنقید اس عاجز نے ہی کی ہے۔ اس مقام پر حاشیہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے۔ تا کہ ہر قاری کے سمجھنے میں آسانی رہے۔

میں مصنف شہیر جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب بھٹی مدظلہ العالی کا انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کو پڑھ کر اپنے رشحات قلم کے کچھ نقوش ثبت فرمائے۔ یقیناً صاحب افاضل کی تقریظ سے ہی اس کتاب کی اہمیت عیاں ہوگی۔ اس موقع پر مجھے اپنی محرومی کا حد درجہ احساس ہوتا ہے کہ یہ عاجز ابھی تک محترم موصوف کے شرف دیدار سے محروم ہے۔ بہر حال میری آنکھیں ان کے حسرت دید میں تڑپتی رہیں گی۔

میں علامہ نور محمد صاحب مدظلہ العالی استاذ جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی وامیر جماعت

مجاہدین صوبہ سندھ کی علم دوست طبیعت کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ محترم موصوف نے جس انداز سے اس عاجز کی ہمت بڑھائی وہ قابل قدر ہے۔ محترم موصوف ''اسلام'' کی خدمت کا پرخلوص جذبہ رکھتے ہیں اللہ انہیں صحیح تر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ میں ذاتی طور پر ان کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے لئے اس قدر خوبصورت تقریظ رقم فرمایا۔

میں اپنے محترم و بزرگ دوست مولانا قمر التوحید صاحب مدظلہ العالی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود میری خواہش پر اس کتاب کے لئے اپنے رشحات قلم کے کچھ نقوش بغرض تقریظ صفحہ قرطاس پر منتقل فرمائے۔ محترم گرامی میرے والد مرحوم کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔

علاوہ ازیں میں مولانا سعید احمد صاحب (ریشمی) دہلوی مہتمم مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کورٹ روڈ کراچی، جناب محمد ابوبکر صاحب قدوسی مہتمم مکتبہ قدوسیہ لاہور اور فضیلۃ الشیخ ابوعبدالمجید محمد حسین بلتستانی کا بھی از حد مشکور و ممنون ہوں۔

آخر میں اہل علم و عام قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب سے متعلق اپنی مفید آراء سے ہمیں ضرور نوازیں۔ ہمیں اس کتاب کی اشاعت کے بعد اس کا انتظار رہے گا۔ اصلاح خواہ کسی قسم کی ہو بشکریہ قبول کی جائے گی۔

از طرف

محمد تنزیل

۸ر مئی ۱۹۹۶ء۔ کراچی

مقدمہ

سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی تک تقریباً پورا ہندوستان شرک، بدعات، ہندوانہ رسم ورواج، مشرکانہ زندگی اور تقلید جامد میں بری طرح جکڑا ہوا نظر آتا ہے۔ خانقاہی نظام اور ہر خانقاہ کا اپنا جدا مسلک تھا۔ کہیں ''فنافی الشیخ'' اور کہیں ''وحدت الوجود'' کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حاجت روائی کے لئے قبروں پر حاضری اور چلہ کشی عام تھی۔ اسی گورکھ دھندے میں صبح وشام صرف ہوتا تھا۔ لوگ قرآن وسنت سے ناآشنا ہو چکے تھا۔ باپ دادا کے عمل کو ہی دین سمجھ رہے تھے۔ عوام ہی نہیں خواص بھی سنت سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ قاضی رکن الدین حنفی کا کسی مسئلہ میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سے اختلاف ہو گیا آپ نے ایک حدیث پیش کی تو قاضی صاحب کہنے لگے ''ترا با حدیث چہ کار قولے از ابوحنیفہ بیار'' (حدیث کو چھوڑ و اور ابوحنیفہ کا قول پیش کرو) آپ نے فرمایا ''سبحان اللہ! کہ باوجود قول مصطفوی ﷺ از من قول ابوحنیفہ مے خواہند)[1] (سبحان اللہ! کہ تم قول مصطفوی ﷺ کے باوجود قول ابوحنیفہ کے خواہش مند ہو)۔

خود امام ابوحنیفہ کیا فرماتے ہیں سنیئے: ''فتوحات مکیہ'' میں مذکور ہے کہ جسے شیخ محی الدین نے سنداً بیان کیا ہے کہ ''امام صاحب نے فرمایا لوگو! دین میں رائے سے کوئی بات کہنے سے بچو، اور سنت کی پیروی کو لازم پکڑو، کیونکہ جو سنت سے نکل گیا وہ گمراہ ہو گیا۔''

آپ کا قول ہے کہ ''اتر کو قولی بخبر رسول اللہ'' مگر قاضی صاحب قول ابوحنیفہ مانگتے ہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، اٹھارھویں صدی عیسوی میں شاہ ولی

(۱) سیر الاولیاء: ۵۳۱، تاریخ فرشتہ: ۹۸/۲، آب کوثر: ۲۷۳، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ ۷۹، اختلاف امت کا المیہ (طبع دوم): ۱۴۴۔

اللہ محدث دہلوی، شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی انیسویں صدی عیسوی میں شاہ محمد اسماعیل شہید اور بیسویں صدی عیسوی میں مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ نے بآواز بلند بدعات، خانقاہیت اور تقلید جامد کی مخالفت کی۔ اپنے دور میں بہت حد تک کامیاب بھی رہے اور آنے والے زمانوں کے لئے راہ صاف کر گئے۔ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے تقلید جامد کے بندھنوں کو توڑ کر قرآن وسنت کے تمسک کی بنیاد رکھی [۱]۔

۱۸۰۳ء تک عملاً انگریز دہلی پر قابض ہو چکے تھے۔ اسلامی تہذیب وثقافت کو مٹانے کے لئے انہوں نے لارڈ میکالے کے فلسفے ''نام تو اسلام کا ہو مگر روح اسلامی نہ رہے'' پر عمل کیا۔ نئی مغربی تہذیب کو روشناس کرانے کے لئے انہوں نے اسکولوں اور کالجوں کی بنیاد رکھنی شروع کر دی۔ وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔ اس طریقے سے ان کی اسلام دشمنی کی پردہ داری بھی ہوتی رہی اور ان کا کام بھی چلتا رہا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجی

انہیں حالات کے پیش نظر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ۱۸۲۱ئی میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کا فتوی دیا [۲] اس فتوے کے نتیجے میں سید احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل شہید

(۱) اس سے پہلے بھی بزرگان دین یہ کوشش کرتے رہے تھے مگر جو کامیابی شاہ ولی اللہ صاحب کے مقدر میں تھی وہ کسی کو نہ ملی۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد (تذکرہ: ۲۴۴) کہ ''وہ جو دورہ آخر کے ''فاتح'' اور ''سلطان عصر'' ہونے کا مقام تھا اور قطبیۃ وقت کا، وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ ہی کے لئے تھا اور لوگ بھی بیکار نہ رہے کام کرتے رہے مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لئے تھا'' علامہ اقبال آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرماتے ہیں (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ: ۱۸۴) کہ ''ان کی ذات پر گویا الٰہیات اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔'' (تنزیل)۔

(۲) شاہ عبدالعزیز انگریزوں کے خلاف اپنے فتوے میں لکھتے ہیں (فتاوی عزیزی: ۱/۳۰-۳۱) کہ ''اگرچہ یہ نماز جمعہ، عیدین، اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے احکام میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے، وہ یہاں بالکل بے حقیقت اور پامال ہو گئی ہے چنانچہ یہ (عیسائی حکمران) بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں، عوام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے، یہاں تک کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کی اجازت کے بغیر اس شہر یا اس کے

نے غیر ملکی اقتدار کو ختم کرنے کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔ جس کی تائید بہت سے علماء احناف نے بھی کی۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری رقم طراز ہیں کہ:

''(حج کی بعد سید احمد صاحب جب وطن واپس آ گئے تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد) سفر جہاد کی تیاری کرنے لگے مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولوی عبدالحئی صاحب وغیرہ علمائے کے واسطے بیان کرنے مضامین ترغیب جہاد اور جہاد کے اطراف ہندوستان میں روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت سید صاحب کے مکان پر بجائے مراقبہ ومشاہدہ اور توجہ دہی کے فضیلت ہجرت اور جہاد کا بیان اور تلوار و بندوق کی صفائی اور قواعد چاند ماری اور گھوڑ دوڑ ہوا کرتی تھی۔ اب بجائے صوفی و درویش کے ہر شخص سپاہی بن گیا۔ تسبیح کے عوض ہاتھ میں تلوار اور فراخ جبہ کی جگہ چست ار خالق اور پیچیدار لباس ہو گیا۔''(۱)

ابھی تحریک المجاہدین کی جڑیں مستحکم بھی نہ ہو پائی تھیں کہ پنجاب سے مظالم کی خبریں آنے لگیں چنانچہ تحریک کے امراء نے فیصلہ کیا کہ پہلے پنجاب کو اور وہاں کے رہنے والوں کو خواہ وہ کسی مذہب سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں انہیں مظالم سے نجات دلائی جائے۔

انگریز عمل داری میں بیٹھ کر جہاد کرنا ناممکن تھا، کیونکہ انگریزوں سے جنگ کرنی تھی اسی لئے جہاد کے لئے ہندوستان سے ہجرت ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے قافلہ مجاہدین کے ساتھ

اطراف و جوانب میں نہیں آ سکتا۔ عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی جو اجازت دی جاتی ہے وہ بھی ملکی مفاد یا شہری آزادی کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے...... دہلی سے کلکتے تک انہی کی عملداری ہے بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنؤ اور رام پور میں ان کے فرمانرواؤں کے اطاعت قبول کر لینے کی وجہ سے براہ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے (باقی ہر حصہ ملک میں ان کے احکام چلتے ہیں)۔'' اصل عبارت فارسی میں ہے یہ اردو ترجمہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی کے رشحات قلم (فقہائے پاک و ہند تیرھویں صدی ہجری: ۹۱/۲-۹۲) کا نتیجہ ہے۔ (تنزیل)۔

(۱) سوانح احمدی: ۶۹، اہل حدیث اور سیاست: ۵۲۔

۱۷ر جنوری ۱۸۲۶ء بروز دوشنبہ رائے بریلی سے سینکڑوں میل دور سرحد کے آزاد علاقے کی طرف ہجرت فرمائی۔

سید صاحب کے ایک مکتوب کے آخری حصے کی نقل کچھ یوں ہے کہ:

''اس کے بعد میں مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اس کو ہر شرک وکفر سے پاک کیا جائے۔ اس لئے میرا اصل مقصود ہندوستان پر جہاد ہے، نہ کہ خراسان (سرحد وافغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔''(۱)

جہاد کی مخالفت سب سے پہلے مولوی محبوب علی دہلوی نے کی۔ جب سیدین شہیدین کے جہاد کا چرچہ ہوا تو لوگ جوق در جوق سرحد کی طرف روانہ ہونے لگے۔ انہی میں مولوی محبوب علی ایک قافلہ لے کر سرحد پہنچے۔ جہاد کے لئے سربکف ہوکر گھر سے نکلنا آسان کام نہیں۔ منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی ہمت ہار بیٹھے راستے کی تکالیف سے اس قدر بددل ہوئے کہ دوسروں کو بھی بددل کرنے لگے۔ ایک رات تاریکی میں خاموشی سے پشاور روانہ ہوگئے اور دہلی واپس آگئے۔ دہلی پہنچ کر مجاہدین کے خلاف زوروں کا پروپیگنڈہ شروع کردیا۔ ان کے بارے میں مولانا محمد جعفر تھانیسری تحریر کرتے ہیں کہ:

''مولوی محبوب علی صاحب کے اغواء سے جو کاروبار جہاد کو صدمہ پہنچا ویسا صدمہ اس لشکر کو آج تک کسی سکھ...... کے ہاتھ نے نہیں پہنچایا تھا۔ مولوی محبوب علی کے فتنہ کے بعد مدت تک ہندوستان سے قافلوں کا آنا بند ہوگیا اور اکثر معاونین جہاد دست ہوگئے۔''(۲)

ہندوستان کی یہ پہلی اسلامی تحریک تجدید دین کی بنیاد پر ٹھیک اسی لائن پر استوار کی گئی تھی جسے نبی آخر الزماں ﷺ نے مقرر فرمائی تھی یعنی ''توحید خالص'' پر۔ سیدین شہیدین کے مقاصد

(۱) سیرت سید احمد شہید: ۲/۲۳۔۳۶۲۔۲، سید بادشاہ کا قافلہ: ۶۶: شہید بالاکوٹ: ۹۷۔۹۸۔

(۲) سوانح احمدی: ۲۳۶، علماء احناف اور تحریک المجاہدین: ۱۵۔

صرف فقہ کے چند مسائل تک محدود نہ تھے۔ بلکہ سلف الصالحین کے طرز پر اتباع سنت نبی اکرم ﷺ اور ان کے مشن کو آگے بڑھانا تھا۔ مگر صد افسوس کہ قیام سرحد کے فوراً ہی بعد سکھوں اور انگریزوں سے پہلے درانی [1] مسلمانوں سے ٹکرانا پڑا۔ درانیوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی گئی مگر نہ انہیں ماننا تھا اور نہ وہ مانے۔ بالآخر درانیوں نے اپنی ۱۲ ہزار فوج لے کر مجاہدین پر حملہ کر دیا اور کشت وخون کے بعد انہیں شکست نصیب ہوئی۔

سید صاحب کو اس کا بڑا ملال رہا۔ وہ اپنے اس دکھ کا اظہار اپنے رفقاء سے کرتے (آہ بے حد دلگداز لمحہ تھا وہ جب سید صاحب اپنے اس ملال کا اظہار کر رہے تھے۔ نجانے کتنے ہی الفاظ تھے جو سید صاحب کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہ سکے جانے کتنے ہی آنسو تھے جو کہ بہنے کے لئے تیار تھے مگر صبر وشکر کے اس پیکر نے انہیں بہنے نہیں دیا۔ شاہ اسماعیل شہید کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی غرض کہ ہر مجاہد اپنی جگہ مغموم تھا۔ بقول شاعر ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی، خود گھر کے چراغ سے)

سید صاحب کے ساتھ وہ لوگ تھے جو روشن مستقبل کے آفتاب بن کر افق پر ابھرنے والے تھے۔ یہ غازی یہ شہید جن کے پیش نظر ایک ہی مدعا تھا کہ مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں عزت اور وقار کی زندگی نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر گزاریں۔ وہ دنیا پر کائنات کے ملک کی حاکمیت قائم کریں۔ کیونکہ دنیا کی امامت کا ذمہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا کیا ہے ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

---

(۱) درانی سرحد کے قبائل میں سے تھے ان کے اور سید صاحب کے تعلقات کی تفصیل کے لئے دیکھئے: سید احمد شہید، سیرت احمد شہید، سوانح احمدی، سید بادشاہ کا قافلہ، ہندوستان میں وہابی تحریک (تنزیل)۔

اللہ کے ان ہدایت یافتہ لوگوں نے سوچا کہ جب ہر شے کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے تو پھر دیر کس بات کی، وہ فوراً ہی راہ حق میں قربان ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس راہ میں کیسی کیسی تکالیف اٹھائیں فقر و فاقہ کئے اپنوں سے جدا ہوئے اپنی جانوں اور مالوں کی قربانیاں دیں تو بے اختیار ذہن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف چلے جاتے ہیں کہ جب کلمہ "لا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ" کہا تو پھر دنیا سے کوئی رشتہ نہ رکھا اور اپنے دلوں سے دنیا کی لذت کو نکال دیا اس کے معنی یہ نہ تھے کہ وہ حجروں میں بیٹھ گئے اور تسبیح لے لی، انہوں نے ایسا نہیں کیا وہ تجارت اور کھیتی باڑی بھی کرتے تھے بیوی بچے بھی رکھتے تھے ان کا اپنا معاشرہ تھا مگر دورِ جہالت کے تمام نقوش مٹا کر ہادی برحق کے بتائے ہوئے راہ پر گامزن ہوئے انہیں یقین کامل تھا کہ اسی راستے پر چلنے سے دین و دنیا کی فتح ہے۔

ایام امن میں وہ پر امن شہری تھے۔ مگر وقت جہاد ہاتھوں میں تلوار ہوتی تھی یہی وہ لوگ تھے جو اپنی زندگیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے طوفان کی طرح اٹھے مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب تک اللہ کے حضور سرخرو ہوئے ۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں

یہ موحدین جب تحریک اسلامی میں شریک ہوئے اور اقامت دین کے لئے کوشاں ہوئے تو اصحاب رسول اللہ ﷺ کے نمونہ کو اپنالیا پھر وہ اسلام کے سپاہی بن گئے۔ اس راہ پر چلنے کے جرم میں جب انگریزوں نے "وہابی" اور "باغی" کہا تو اپنوں نے بھی "وہابی" اور "کافر" قرار دیا — جنہوں (مجاہدین) نے ہندوستان کو دارالحرب سمجھا اسی لئے ان وہابیوں نے نہ اپنی قلت کو خیال میں لایا اور نہ انگریزوں کے بے پناہ تشدد کو خاطر میں آنے دیا آخری لمحات تک قلندرانہ وار بدیسی آقاؤں پر جھپٹتے رہے، ٹکراتے رہے، لڑتے رہے۔ ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر پکار اٹھا۔

"ہماری سرحد پر ایک باغی گروپ بیٹھا ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے

ناک میں دم کر رکھا ہے یہ لوگ سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔ اکثر معرکوں میں ہمارے مقابلے میں ان کو فتح حاصل ہوئی۔''[۱]

اتباع سنت کو بیدا کرنے والوں، جذبہ جہاد کو زندہ کرنے والوں کے خلاف خانقاہیوں اور مقلدین نے فتوؤں کے دفتر کھول دیئے، بقول ہنٹر کہ ''ہر معمولی مسجد کے ملانے بھی حرمت جہاد پر فتوے لکھ کر ہماری خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔''

جس وقت مجاہدین سرحد میں انگریزوں سے برسر پیکار تھے، اس وقت اندرون ہند مجاہدین کے خلاف مورچے بن رہے تھے اور کسی طرح تحریک جہاد کو ناکام کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء میں قلب تحریک صادق پور پٹنہ عظیم آباد میں پہنچ کر مولوی محمد بن عبدالقادر لدھیانوی نے **''انتظام المساجدد باخراج اهل الفتن والمفاسد''** لکھ کر پٹنہ میں تقسیم کیا۔ جس میں موصوف نے اہل حدیثوں کو مسجد سے خارج کرنے کی یہ دلیل دی کہ یہ لوگ غیر مقلد ہیں کافر ہیں مزید یہ ہے غیر مسلم حکومت سے ان کے قتل کرنے کی اپیل کی۔ یہی نہیں تھانہ بھون کے شیخ محمد تھانوی [۲] نے سنن نسائی کے حاشیئے میں لکھا ہے کہ:

''ہمارے ملک میں جن کو وہابی کہا جاتا ہے ان کو قتل کر دینا فرض ہے [۳]۔''

''انتقاد صحیح بجواب ذیل رکعات تراویح'' ملاحظہ کیجئے اس کتاب میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا محمد حسن سنبھلیؒ وغیرہ حضرات کی کتابوں سے عبارتیں نقل کر دی گئیں جس میں صرف طعن و تشنیع کے فقرے ہی نہیں بلکہ بعض ایسی گندی گالیاں اور فحش گالیاں تک موجود ہیں کہ جس کو پڑھ کر شرافت اور انسانیت پانی پانی ہو جاتی ہے [۴]۔

---

(۱) ہفت روزہ ''الاعتصام'' (لاہور): ۹/اگست ۱۹۸۵ء۔

(۲) مشہور دیوبندی عالم اور مولانا اشرف علی تھانوی کے استاد محترم ہیں۔ (تنزیل)۔

(۳) سنن نسائی: ۱/۶۰/۳ مجتبائی، علماء احناف اور تحریک المجاہدین: ۲۶۔

(۴) انتقاد صحیح بجواب ذیل رکعات تراویح: ۲۵، ۳۳، اہل حدیث اور سیاست: ۳۵۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تو اہل حدیثوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ فتوؤں کے یہ سلسلے صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ تھے بلکہ مکہ معظّمہ سے بھی منگوائے گئے۔ مولوی وصی احمد سورتی بھی مکہ معظّمہ سے ایک فتوی اہل حدیثوں کے خلاف لے کر آئے ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں ایسے کتنے ہی فتوؤں کا ذکر ملے گا۔

شیخ الکل سید نذیر حسین جب فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تو وہاں مقیم ہندی علماء احناف نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اس کی تفصیل مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی'' میں بڑے واضح ثبوت کے ساتھ مل جائے گی۔

انگریز ایک شاطر قوم ہے اس نے فقہی مسائل کی چنگاری کو ہوا دے کر شعلہ بنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لئے اس وقت کے علماء سوء اور خانقاہیوں کو اپنے جال میں پھنسایا۔ بقول ہنٹر کہ:

> ''مسلمان ملا بھی جن کی مسجد کے ساتھ ساتھ چند ایکڑ زمین یا کوئی خانقاہ ضرور ہوتی ہے۔ گذشتہ نصف صدی سے وہابیوں کے خلاف پیچ و تاب کھا رہے ہیں (۱)۔''

فتوؤں کے اس تیز دھار نے کتنوں کے سر قلم کئے۔ کتنوں کی پگڑیاں اچھالیں۔ فتوے نہ ہوئے کوئی تماشہ ہو گئے۔ سر سید احمد خان، مولانا ثناءاللہ امرتسری، علامہ اقبال، علامہ مشرقی، مولانا ظفر علی خان، مولانا مودودی وغیرہ فتوے بازی کا نشانہ بنے۔ ایک پر لطف فتوی اور پڑھ لیجئے:

> ''دہلی دروازہ کے باہر ہزاروں کے مجمع میں پنجاب کے ایک بہت بڑے پیر صاحب کا پورے پھیپھڑوں سے زور لگا کر ارشاد فرمایا کہ: ظفر علی کافر ہے میں فتوی دیتا ہوں کہ اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی ہے وہ جہاں چاہے نکاح کر لے (۲)۔''

یہ مقام شکر ہے اور ہم اہل حدیثوں کے لئے فخر کا مقام ہے کہ علماء اہل حدیث نے سوائے قادیانیوں کے کسی کلمہ گو پر کفر کا فتوی صادر نہیں کیا۔ قادیانیوں کے خلاف مولانا محمد حسین بٹالوی وہ

---

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان: ۱۶۷، طبع فیصل آباد۔

(۲) اختلاف امت کا المیہ (طبع دوم): ۱۱۱۔

پہلے شخص ہیں جو میدان میں اترے۔ پھر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قادیانیوں سے مکمل مناظرہ کیا اور ضرورت پڑنے پر انہوں نے قادیانیوں کے ساتھ مباہلہ بھی کیا۔

اس وقت میرا جگر لہولہو اور خیالات دھواں دھواں ہو جاتے ہیں جب دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ جو روشن مستقبل کے آفتاب بن کر افق ہند پر ابھرنے والے تھے، جو ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کمر بستہ ہوئے انگریزوں کے قدم روکنے کے لئے علم جہاد بلند کئے اپنی جانوں اور مالوں کی بے دریغ قربانیاں دیں، انگریزوں سے مسلسل سو سال تک برسر پیکار رہے سینکڑوں میل کے پیدل سفر کئے جن کی صبح تلواروں کے سائے میں اور رات ذکر الٰہی میں صرف ہوتے تھے وہ اپنوں ہی کی بے وفائی کا نشانہ بن گئے۔ بے شک یہ ایسا درد تھا کہ جس کی کسک لازوال تھی۔

مولانا احمد اللہ صادق پوری گرفتار ہوئے سزا سنائی گئی تو چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی کسی نے پوچھا کہ سزا کی خبر سن کر تم مسکرا رہے ہو؟ جواب دیا: ''آج ہی یقین آیا ہے کہ میری بھی کچھ حیثیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی حضور ہے ورنہ قربانی کے لئے مجھے منتخب نہ کرتا۔'' مولانا احمد اللہ کے چھوٹے بھائی مولانا یحییٰ علی ہیں انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ رات ہو چکی ہے صبح پھانسی ہونے والی تھی جج ان کی کیفیت دیکھنے کے لئے آیا دیکھا کہ اندھیری کوٹھری میں یحییٰ علی پڑے ہوئے ہیں اور کوٹھری ان کے چہرے سے روشن ہے جج حیرت سے مبہوت ہو گیا پوچھا تم اتنے مطمئن کیوں ہو؟— جواب دیا— کل صبح محبوب سے ملاقات ہو گی اس ملاقات سے خوشی نہ ہو گی تو اور کیا ہو گی۔'' ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ جو تحریک اسلامی میں شامل ہوا تو اس کی اکایا ہی پلٹ گئی۔

یہ تو بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان نفوس پاک کے حق میں کسی نے بھی اظہار ہمدردی نہیں کی، کوئی دو میٹھے بول بھی نہ بول سکا کسی نے ان کے زخموں پر مرہم نہیں رکھا کسی نے بھی محبت سے انہیں گلے نہیں لگایا۔ برخلاف اس کے نفرت حقارت، طعن وتشنیع کے زہر یلے تیر برسائے، جھوٹی گواہیاں دے کر پھانسیاں دلوائیں، جائدادیں ضبط کروائیں اور کفر کے فتوے

صادر کئے (یہ کیسا المیہ ہے یا رب کہ تیرے ہی بندوں پر تیری ہی سرزمین تنگ کردی گئی لیکن تیرے ان بندوں نے اف تک نہ کیا اس لئے کہ انہوں نے راہ جنوں میں سب کچھ لٹا دینے کی قسم جو کھائی تھی، وہ عشق الٰہی کے لئے اپنے آپ کو وقف جو کر چکے تھے اور اس سفر میں امتحان شوق پر پورا اترنے کے لئے تیار جو بیٹھے تھے۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز آرہی تھی کہ ؂

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم

سوبار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا]

جب یہ فتوے بے اثر ہونے لگے تو دوسرا ہتھکنڈا شروع ہوا۔ وہ یہ کہ ادبی محاذ پر ان کے خلاف پروپیگنڈے ہونے لگے اس سلسلے میں قلم کی تمام طاقت اور ہزاروں ٹن کاغذ ضائع ہونے لگے۔ آج پورا زور اس بات پر صرف ہو رہا ہے کہ کسی طرح اکابرین اہل حدیث کو حنفی ثابت کیا جائے اور تحریک جہاد کو اپنے کھاتے میں ڈالا جائے۔

گو کہ اہل حدیثوں نے بروقت ان کے جواب بھی دیئے مگر سرمایہ کی کمی اور ذرائع ابلاغ سے محرومی کی وجہ سے ان کی آواز صدا بصحرا ہو کر رہ جاتی ہے۔

بصد احترام علماء و اکابرین احناف سے گزارش ہے کہ ہوا کے رخ کو پہچانیئے اور اپنی روش میں لچک پیدا کیجئے۔ مغربی افکار نے دین میں نئے نئے نظریات پیدا کر دیئے ہیں نوجوان مادر پدر سے آزاد ہو رہے ہیں، اخلاق و آداب سے کوئی واسطہ انہیں نہیں اور دین ایک نقش بے نشاں ہوتا جا رہا ہے اور آپ ابھی تک آمین بالجہر، رفع یدین، رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں اور تراویح کے رکعتوں کے مسائل میں گم ہیں ؏

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

غور کیجئے اور اچھی طرح سے غور کیجئے۔ یہ قادیانیوں، پرویزیوں اور خواب میں نبی اکرم ﷺ سے ہدایت پانے والے سب آپ ہی کے گروہ کے ہیں۔

آج امام بخاری اور دیگر محدثین کرام کے خلاف محاذ قائم ہو رہے ہیں۔ احادیث نبوی ﷺ کے خلاف مکروہ سازشیں جنم لے رہی ہیں۔ خدانخواستہ احادیث کی اہمیت کم ہوگئی تو آگے چل کر کلام اللہ میں بھی تحریف شروع ہو جائے گی، تو پھر باقی کیا رہ جائے گا۔

آج اغیار ہماری مسجدوں کو مسمار کر رہے ہیں اس پر جتنا بھی رویا جائے کم ہے مگر مسلمان تو مسلمانوں کی مسجدوں پر بزور طاقت قبضہ کرتے ہیں تو یہ کہاں جائز ہے ایسا کرنے والے آپ ہی ہیں، اہل حدیث یا وہابی کہلانے والے نہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کو "دیو کا بندہ" (دیوبندی) کہے یہاں ندامت سے سر جھک جاتا ہے۔

اب بھی وقت نہیں گزرا ہے، آپ کی تعداد زیادہ ہے، ذمہ داری بھی آپ ہی پر زیادہ ہے آگے بڑھیئے اور تعصب کی آگ کو ٹھنڈا کیجئے اور مل جل کر توحید خالص کی آواز کو بلند کیجئے رسول پاک ﷺ کی ہر ہر سنت کو جو دھندلا گئی ہے دوبارہ زندہ کیجئے اخوت، مساوات اور محبت پیدا کیجئے یہی اسلام کی صحیح خدمت ہوگی۔

اگلے باب میں میں اپنی کم علمی کے باوجود نمونتاً چند تاریخی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی سعی کر رہا ہوں اسے کوئی معرکہ آرائی نہ سمجھے۔ یہ عمل کا پیغام ہے، یہ تو بس دلوں کی کدورتوں کو دور کرنے کی ایک معمولی سی کوشش ہے۔ تاکہ ہم لاحاصل باتوں سے نکل کر اتحاد بین المسلمین کی طرف قدم بڑھائیں۔ انشاء اللہ۔

از طرف

بندہ حقیر

محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی

۲۱ر دسمبر ۱۹۹۲ء۔ کراچی

آغازِ سخن

احناف کی تاریخی غلطیاں

تحریک نفاذ اسلامی میں اہل حدیث کی خدمات سے متعلق اعتراضات کی صحیح صورت حال

اس کتاب میں نہیں کسی کی تنقیص کچھ — اس میں تو اپنوں کا اظہار جفا ہے
اعداء کی شرارت کا کچھ تو ہے شکوہ — کچھ اس میں اسلاف سے بھی گلہ ہے
بیشک کچھ سختی کا پہلو بھی ہے اس میں — کہ قلم میرا جذبات کی رو میں بہا ہے
کرو غور کچھ تو میرے مضامین پر تم — یہ دیکھو کہ میں نے کیا کیا لکھا ہے
مگر دامن نہ عدل کا چھوٹنے پائے — کہ اعدلو ہو اقرب للتقویٰ ہے
میں نے لکھا ہے اس میں بہت سوچ کر — تعصب سے ہٹ کر حقیقت کا افشا ہے
سب ہی کرلیں اب تسلیم حق کو — پروردگار سے میری یہی اب دعا ہے

تنزیل جواب بھی حقیقت کو مسخ کرے گا
تو اس کے لئے اک دن عدالت کا ٹھہرایا گیا ہے

۱ سید احمد شہید کا رجحان واضح طور پر حنفیت کی طرف تھا

جناب پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''سید احمد شہید کا رجحان واضح طور پر حنفیت کی طرف تھا۔'' (''البلاغ'' کراچی، جولائی ۱۹۷۰ء)۔

جواب:

بلاشبہ سید احمد شہید ابتداء میں حنفی المذہب تھے، مگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے تلمیذ ہونے کی وجہ سے تقلید جامد کے بھی قائل نہ تھے۔ اصحاب احناف اور اہل حدیثوں میں بنیادی اختلاف تقلید ہے۔ اس کے علاوہ بھی بیشتر فروعی اور اہم مسئلوں میں اختلاف ہے، لیکن تقلید اختلاف کی اصل جڑ ہے۔

جناب شاہ محمد حسین صاحب نمو ہیاں عظیم آبادی، جو سید احمد شہید کے اولین خلفاء میں سے ہیں انہیں آپ نے جو سند خلافت عطا کی ہے اس کا ایک ایک لفظ سید احمد شہید کے اہل حدیث ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

سند کی نقل حسب ذیل ہے، اصل سند آج بھی ان کے خاندان میں موجود ہے اس کے کچھ ضروری اور اہم اجزاء کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ان لوگوں کو جو راہ خدا کے جویاں ہیں بالعموم، اور ان لوگوں کو

جو حاضر و غائب سید احمد کے دوست ہیں بالخصوص، معلوم ہو کہ جو لوگ بیعت کے ذریعے سے مقدس نفوس کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مرید ہو جاتے ہیں ان کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور یہ موقوف ہے اس کے رسول کے احکام کی پیروی پر۔ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رضائے الٰہی کا راستہ شریعت رسول کے اتباع کے بغیر بھی مل سکتا ہے وہ باطل پر ہے اور فریب خوردہ ہے اس کا دعویٰ غلط اور نا قابل التفات ہے۔ شریعت نبوی دو باتوں پر قائم ہے۔

اول۔ کسی مخلوق سے خالق کی صفات منسوب نہ کرنا۔

دوم۔ ایسے رسوم و اطوار سے احتراز جو رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلفاء کے زمانے میں رائج نہ تھے۔

پہلی شرط کے معنی ہیں (۱) عدم اعتقاد اس بات پر کہ فرشتے، ارواح پیر و مرشد، استاد، طالب علم، پیغمبر یا ولی کسی مشکل کو رفع کر سکتے ہیں۔ (۲) ان ہستیوں میں کسی کو کسی خواہش یا مراد کے حاصل کرنے کے لئے مدد طلب کرنے سے اجتناب (۳) اس بات سے انکار کہ ان میں سے کسی کو مدد دینے یا ضرر کو رفع کرنے کا اختیار ہے۔ (۴) اللہ کی قدرت میں ان کو ایسا ہی مجبور و بے خبر سمجھنا جیسا اپنے آپ کو............ بلکہ ان کو محض اللہ کا حبیب سمجھنا اور ان کو رضائے حق کی راہ کا محض راہ نما سمجھنا۔

دوسری شرط بدعت یعنی مذہب میں کسی جدت طرازی کو دخل نہ دینے کے معنی میں (۱) معاشرت میں ان تمام عبادات اور رسوم و عادات پر سختی سے پابند رہنا جو عہد نبوی ﷺ کے معمولات تھے (۲) ایسی بدعات سے احتراز کرنا جیسے رسوم شادی، تعظیم قبور، قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنا، مردوں کی برسیوں میں صرف کثیر تعزیہ سازی وغیرہ (۳) جہاں تک ممکن العمل ہو ان رسوم کو بند کرنا............۔

وہ سب لوگ جو اللہ کے طالب ہیں ان کے لئے مناسب ہے کہ ان باتوں کو اپنے سامنے رکھیں اور ایک دوسرے سے مل کر ان پر عمل کریں اور یہ عمل ...... بالخصوص شاہ محمد حسین کے تعاون سے کریں جنہوں نے مجھ سے بیعت کر کے اقرار کیا ہے اور جن کو میں نے یہ ساری باتیں پوری طرح بتادی ہیں اور ان کو اختیار دیا ہے کہ وہ تم سے بھی ایسے اقرار لیں اور میری جگہ یہ پاکیزہ عادات اور اطوار تمہیں سکھائیں۔ اس لئے شاہ محمد حسین موصوف کو مناسب ہے کہ ان احکام کو اختیار کریں جو ان کو بتادیئے گئے ہیں۔ اپنے جسم و جان سے اللہ کی طرف رجوع کریں اور ان احکام کے ظاہر و باطن پر عمل کر کے شرک و بدعات کی ہر گرد کو جھاڑ دیں جو ان کے دامن پر پڑی ہو اور لوگوں کو راغب کریں کہ ان سے بیعت کر کے عہد و اقرار کریں۔ خدا کرے میں اور میرے رفقاء اس گروہ میں شامل ہو جائیں جو توحید کے معتقد اور شریعت کے متبع ہیں [1]۔"

جب شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحیؒ بڑہانوی نے سید احمد شہید سے بیعت کی تو سید احمد شہید نے ان دونوں حضرات کو رشد و ہدایت کے لئے اطراف دہلی میں بھیجا آپ حضرات رد بدعات اور تقلید جامد کے خلاف وعظ و نصیحت کرتے تھے سرحد پہنچ کر بھی یہ سلسلہ جاری رہا آج جو سرحد کی پہاڑیوں میں قرآن وسنت کی آواز گونج رہی ہے وہ انہی نفوس قدسیہ کی سعی کا نتیجہ ہے۔

سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید سے اس حد تک متاثر تھے کہ ایک خاص جماعت ان کے سپرد کر دی اور اسماعیل اس جماعت خاص کی سرپرستی کرتے رہے۔

سید احمد شہید کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ہے "صراط مستقیم" جسے شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی بڑہانوی نے ترتیب دیا تھا۔ اس میں واضح طور پر اپنے مسلک کے بارے میں فرمایا ہے لکھا ہے کہ:

"اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل اسلام میں مروج ہیں بہت

---

(۱) ہندوستان میں وہابی تحریک: ۷۵، ۷۶۔

عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا ﷺ کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہئے بلکہ آپ کا علم تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے یہ کتابیں تصنیف ہو کر ان علموں کی جمعیت ظاہر ہو گئی ہے پس جس مسئلہ میں صحیح صریح غیر منسوخ حدیث مل جائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیونکہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا ﷺ کے علم کو اٹھانے والے ہیں اور ایک طرح سے آپ کی مصاحبت حاصل کر کے آپ کے مقبول ہو گئے ہیں اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں اور اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں [۱]۔''

کیا اس کے بعد بھی یہ گنجائش رہ جاتی ہے کہ آپ کا رجحان حنفیت کی طرف تھا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم اچھے انشاء پرداز تھے خوب لکھتے تھے اور اچھا لکھتے تھے مگر حق تحقیق ادا نہ کر سکے، الزام تراشیوں میں بعض ایسی باتیں لکھ گئے جو کسوٹی پر اتر نہ سکیں۔ آپ کا پورا زور قلم اس پر صرف ہوا کہ کسی طرح اکابرین اہل حدیث کو حنفی ثابت کیا جائے آج پروفیسر صاحب ہم میں موجود نہیں، اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

ویسے پروفیسر کا یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مولانا عبداللہ صاحب غزنوی، مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی، مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا ابراہیم صاحب آروی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھوی رحم اللہ علیہم وغیرہ کو حنفیت کی سند نہ دی۔

---

(۱) صراط مستقیم: ۱۲۶، طبع ۱۹۵۶ء لاہور۔

۲ شاہ اسماعیل شہید حنفی تھے

کسی زمانے میں دیوبند سے ایک رسالہ ''المفتی'' شائع ہوتا تھا۔ ذیل کا مضمون ہفت روزہ ''اہل حدیث'' (امرتسر) بابت ۱۳؍مارچ ۱۹۴۲ء سے ماخوذ ہے۔ اس میں سائل نے دریافت کیا تھا کہ شاہ اسماعیل شہید ؒ حنفی تھے یا اہل حدیث ''المفتی'' کا جواب تھا۔

''حضرت مولانا اسماعیل شہید حنفی المذہب عالم ربانی اور بزرگ تھے اور رد بدعات میں بہت زیادہ ساعی تھے۔ ہر دینی کام میں جہاں بھی خلل دیکھتے تھے اس کا رد فرماتے تھے۔'' (رسالہ ''المفتی'' (دیوبند) بابت ذیقعدہ وذی الحجہ: ۱۳۶۰ھ)۔

جواب:

شاہ اسماعیل شہید کی تصانیف ''تقویۃ الایمان''، ''صراط مستقیم'' اور ''منصب امامت'' کا اگر کھلے دل سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اہل حدیث بلکہ عامل بالحدیث اور تقلید کے سخت مخالف تھے۔ شاہ محمد اسماعیل شہید آمین بالجہر اور رفع یدین کے بھی قائل تھے [1] جبکہ احناف اس کے بھی مخالف ہیں۔ ایک انگریز مورخ سر جیمس اوکنکلے کا بیان ہے کہ:

''(سید احمد بریلوی کی جماعت) دو مختلف اور متضاد گروہوں سے مرکب تھی......
دوسرے گروہ کے سردار مولوی اسماعیل تھے جو چاروں اماموں کی تقلید سے آزاد تھے

(۱) ہمارے عصر کے ایک ''محقق فاضل'' جناب ڈاکٹر ایچ۔ بی خان جو بفضلہ تعالیٰ ''ریسرچ اسکالر'' ہیں لکھتے ہیں (علماء کا سیاسی کردار: ۶۷) کہ ''اس (شاہ ولی اللہ کی فکری آزادی) کے نتیجہ میں وہابیت اور شوکانیت کا دروازہ کھل گیا اور یہی وجہ تھی کہ شاہ محمد اسماعیل نے شافعیت کا طریقہ اختیار کیا یعنی آپ رفع یدین کرتے تھے۔'' ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے (تنزیل)۔

اور براہ راست حدیث کو اپنا ماخذ قرار دیتے تھے[1]۔"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ایک بوڑھے شاگرد نے ایک دن شاہ صاحب سے شکایت کی کہ حضرت صاحبزادے (شاہ اسماعیلؒ) نے تو آج غضب ہی کر دیا کہ جامع مسجد میں آمین بالجہر کہی اور رفع یدین بھی کیا۔ شاہ صاحب نے مذاقاً کہا کہ پھر تم نے منع کیوں نہیں کیا؟ مولوی صاحب نے کہا کہ "وہ کہنے سے کہاں باز رہنے والے ہیں" اس پر شاہ صاحب نے کہا کہ "اگر میں کہوں اور جواب میں وہ کہہ دے کہ آپ ہی نے تو اس کی اولیت بتائی ہے تو کیا جواب دوں گا۔" مولوی صاحب کے مزید اصرار پر آپ نے طنز آمیز لہجے میں فرمایا کہ "تم نے مجھ سے صحاح پڑھی ہے پوتھی[2]۔"

مولانا فضل حق حنفی خیر آبادی ایک عرصے تک شاہ اسماعیل شہید کی مخالفت صرف اس وجہ سے کرتے رہے کہ شاہ اسماعیل تقلید کے منکر تھے۔ ان دونوں حضرات میں آپس میں اکثر امکان النظیر وامتناع النظیر، رفع یدین و آمین بالجہر وغیرہ مسئلوں پر بحث چلتی تھی۔ جس میں جیت ہمیشہ شاہ اسماعیل ہی کی ہوتی تھی اور وہ ہر دفعہ مولانا خیر آبادی سے بازی لے جاتے تھے۔

اسے ذاتی عناد کہا جائے یا حسد کہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے اپنے بلند پایہ شاعر دوست مرزا غالب سے وہابیوں اور خصوصی طور پر شاہ محمد اسماعیل شہید کے خلاف مثنوی لکھوانے کا وعدہ لیا

---

(۱) مسلمانوں کا روشن مستقبل: ۱۲۸ طبع حماد الکتبی لاہور۔

(۲) الحیاۃ بعد المماۃ: ۱۰۸، طبع اول۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ شاہ اسماعیل نے آخر میں رفع یدین کرنا ترک کر دیا تھا تو یہ نہایت ہی فضول دعوی ہے جو کہ دلیل کے بغیر ہی کیا جاتا ہے۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۸۳، طبع المحمود اکیڈمی) اگر ایسا تھا بھی تو اس سے ان کی حنفیت کیسے ثابت ہو گئی؟...... اہل حدیث مسلک صرف آمین بالجہر، رفع یدین یا فقہ کے چند مسائل تک محدود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے صاحبزادے رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ ہی نماز میں باآواز بلند آمین کہا کرتے تھے۔ مگر وہ تقلید کے انکاری، راہ اجتہاد پر گامزن اور شرک و بدعت کے مخالف تھے اور یہی عقیدہ ان کے اہل حدیث ہونے کی بنیاد ہے۔ امید ہے کہ اب اس قسم کے مہمل دعوؤں سے گریز کیا جائے گا۔ (تنزیل)۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اس واقعہ کا تفصیلی ذکر اپنی کتاب ''یادگارِ غالب'' میں کیا ہے، مولانا حالی نے یہ واقعہ اس پر ختم کیا ہے کہ (مرزا نے جو کچھ لکھا ہے) وہ مولانا کے جبر سے لکھا ہے اس کو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں [1]۔''

مولانا فضل حق خیرآبادی، شاہ اسماعیل کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ''جب شاہ اسماعیل نے جامع مسجد دہلی کے تبرکات نبوی کے خلاف مسلمان قوم کو شرک و بدعت سے دور رہنے کے لئے وعظ وتذکیر کے ساتھ صحیح اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا تو دنیا طلب مولویوں کے گروہ میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ سب آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے جب وہ لوگ آپ کے خلاف کچھ نہ کر سکے تو انہوں نے ڈیڑھ ہزار دستخطوں پر مبنی ایک درخواست علامہ فضل حق صاحب کی تائید کے ساتھ انگریز حاکم کے سامنے پیش کی۔ جس میں شاہ اسماعیل ہی کامیاب رہے۔ نتیجتاً شاہ صاحب نے جہاد باللسان کی بجائے جہاد بالسیف کے وعظ کا آغاز کر دیا [2]۔''

بغض وحسد سے بھرا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو مولانا فضل حق خیرآبادی ایک محفل میں فرماتے ہیں کہ ''مولانا محمد اسماعیل جس چیز کو حلال کہیں گے، اس کو میں حرام اور جس کو وہ حرام کہیں گے اس کو میں حلال ثابت کر سکتا ہوں۔'' اس محفل میں شریک ایک اہل حدیث عالم مولانا سراج احمد سہوانی نے اس کے جواب میں برجستہ کہا کہ ''مولانا محمد اسماعیل صاحب ماں بیٹی کو حرام اور زوجہ کو حلال فرمایا ہے آپ ایسے موقع پر کیا کیجئے گا [3]۔''

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے بعد میں شاہ اسماعیل شہید کی مخالفت سے توبہ کر لی تھی اور اپنی حرکت پر ندامت کا اظہار کیا تھا [4]۔''

---

(۱) یادگار غالب: ۸۸، طبع ۱۹۳۲ء لکھنؤ۔

(۲) ہفت روزہ ''الاعتصام'' (لاہور) ۳۰ نومبر ۱۹۸۴ء: ۷۔

(۳) حیات العلماء: ۴۹۔

(۴) تذکرہ شہید: ۲۳۹۔۲۴۰۔

پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''شاید یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہو کہ ہندوستان کے مسلمان غالب اکثریت میں فقہ حنفی کے ماننے والے ہیں خواص اور علماء میں بعض حضرات اہل حدیث کے بھی گزرے ہیں مولوی محمد اسماعیل شہید نے اس فکر کو خاص طور سے بڑھایا اور اپنے متبعین کی جماعت پیدا کر لی(۱)۔''

شاہ محمد اسماعیل شہید لکھتے ہیں کہ:

''تقلید کے معاملہ میں لوگوں نے غلو کیا ہے اور متعین شخص (امام) کی تقلید کے التزام میں ہٹ دھرمی کی ہے۔ یہاں تک کہ اجتہاد اور جزوی مسائل میں اپنے امام کے ماسوا دوسرے کی تقلید سے منع کیا ہے۔ یہ وہ سخت بیماری ہے جس نے شیعوں کا بیڑا غرق کیا اور ان (مقلدین) کا بیڑا ابھی غرق ہونے کو ہے۔ شیعہ اور مقلدین میں صرف اتنا فرق ہے کہ شیعہ امام کے قول کے مقابلے میں نصوص کو رد کر دیتے ہیں اور مقلدین مشہور روایات میں تاویل کر کے امام کے قول کی طرف پھیر پھار کر لاتے ہیں۔ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہئے تھا(۲)۔''

مولانا عبید اللہ سندھی اکابرین دیوبند میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''جب مولانا محمد اسماعیل شہید نے ''حجۃ اللہ'' امام عبدالعزیز سے پڑھی۔ تو اپنے جد امجد شاہ ولی اللہ کے طریقے پر عمل کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنی ایک خاص جماعت بھی تیار کی جو حجۃ اللہ البالغہ پر عمل کرے۔ یہ لوگ شافعیہ کی طرح ''رفع یدین'' اور ''آمین بالجہر'' کرتے تھے، جیسا کہ سنن میں مروی ہے(۳)۔''

(۱) ''البلاغ'' (کراچی) جولائی ۱۹۷۰ء: ۳۲۔

(۲) تنویر العینین: ۲۵، اصل عبارت عربی میں تھی، یہ اردو ترجمہ مولانا عزیز زبیدی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے ملاحظہ ہو: ''الاعتصام'' (لاہور) ۲۸ر جون ۱۹۸۵ء۔

(۳) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۸۳، طبع المحمود اکیڈمی لاہور۔

م زلانا سندھی مرحوم کے ارشاد کے مطابق شاہ اسماعیل شہید شافعیہ کی طرح رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر کہتے تھے، تو پھر وہ شافعی ہوئے حنفی تو نہیں۔ مگر ذرار کئے آپ شافعی نہیں تھے کیوں کہ آپ تقلید کے منکر ہیں، جبکہ شافعیہ اس کے قائل ہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کو اہل حدیث تسلیم کرلیا جائے۔ علاوہ از یں پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کی تحریر بھی آپ کی نظر سے گذری ہوگی، اس کے بعد گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ مولانا شہید مقلد تھے۔

﴿۳﴾ کہا جاتا ہے کہ سید احمد شہید انگریزوں سے لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے

کہا جاتا ہے کہ سید احمد شہید انگریزوں سے لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اور ان کا حلقۂ جہاد صرف سکھوں تک ہی محدود تھا، جبکہ ''کالا پانی''، ''حیات طیبہ'' اور ''اسباب بغاوت ہند'' وغیرہ کتابوں میں ایسی تحریریں موجود ہیں، جس سے گمان ہوتا ہے کہ سید احمد شہید کی اس تحریک کا مقصد جہاد صرف سکھوں کے خلاف تھا۔

جواب:

جب سینوں میں بغض، کینہ اور نفرت کی آگ سلگ رہی ہو اور آنکھوں پر تعصب کی عینک لگی ہو تو حقیقت نظر نہیں آتی ہے۔

ڈیڑھ سو سال پہلے آج جیسے حالات نہ تھے۔ انگریزوں کا جبر و تشدد عروج پر تھا۔ وہ ہندوستان کے حاکم بن چکے تھے۔ جس کسی پر بغاوت کا شبہ ہوا اسے فوراً ہی پھانسی، جیل، جائیداد کی ضبطی اور سزا کے طور پر جزائر انڈومان بھیج دیا جاتا تھا۔

خصوصاً ان کا رویہ وہابیوں کے خلاف نہایت جابرانہ تھا۔ جس کسی نے مخبری کی کہ فلاں شخص وہابی ہے تو پھر اس کی خیر نہیں، صرف بنگال و بہار میں پانچ لاکھ وہابیوں کو شک میں پھانسی دی گئی ان حالات میں کچھ لوگوں نے انگریزوں کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ لکھا ہے کہ جہاد

دراصل سکھوں کے خلاف تھا، انگریزوں کے خلاف نہیں۔ مثلاً سرسید احمد خاں [1] مرحوم نے ''اسباب بغاوت ہند'' لکھی، اسی طرح مولوی محمد جعفر تھانیسری نے سید احمد صاحب کے مکتوبات میں انگریزوں کے نام حذف کر دیئے۔ یہ ان حضرات کے انفرادی نظریات تھے تاریخی حقائق سے ان باتوں کا کوئی واسطہ نہیں [2]۔

محترم علیم ناصری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''انگریز حکمران تحریک جہاد بالاکوٹ کے بعد اثرات اور مسلسل جہادی کاوشوں کو نہایت تشویش سے دیکھ رہا تھا۔ اس لئے بعض عمائدین ملت اس تاثر کو زائل کرنے کے لئے تحریک جہاد کے مقاصد کی نئی تاویل کرتے ہوئے اس کو محض ''پنجاب کے سکھوں کے خلاف'' باور کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان میں سرسید احمد خاں، مولانا محمد جعفر تھانیسری اور مرزا حیرت دہلوی خاص طور پر نمایاں ہیں۔ مولانا تھانیسری نے تواریخ عجیبہ (سوانح احمدی رحیات سید احمد شہید) میں یہی رخ اختیار

---

(۱) مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں (اہل حدیث اور سیاست: ۶۱، ۶۲) کہ ''میں جہاں تک تحقیق کر سکا ہوں سب سے پہلے سرسید احمد خاں مرحوم نے سید صاحب کے جہاد کا رخ انگریزوں سے ہٹا کر سکھوں کی طرف پھیرا۔ لیکن سرسید کا یہ بیان بہت کم لوگوں کی نظروں سے گذرا ہوگا۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری مرحوم نے اسے پھیلا کر پیش کیا۔'' (تنزیل)۔

(۲) مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں (سید احمد شہید: ۲۵۸) کہ ''مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری سید صاحب کے خاص معتقدین سے وابستہ تھے...... لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سید صاحب کے نصب العین کو سمجھنے میں ان سے سخت لغزش سرزد ہوئی اور حد درجہ افسوس اس بات پر ہے کہ اس غلطی کی توثیق کے لئے انہوں نے سید صاحب کی عبارتوں کو بدلا۔'' (مولانا نذیر احمد رحمانی اس پر حد درجہ افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں (اہل حدیث اور سیاست: ۶۳) کہ ''ہمیں مولوی جعفر صاحب کی اس جرات پر اس اعتبار سے مزید افسوس تھا کہ وہ اہل حدیث تھے۔ جن کے مسلک کی عمارت روایت کے باب میں دیانت و امانت ہی کی بنیاد پر قائم ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے لغزش کی تحقیق اور اس غلطی کی اصلاح کی توفیق بھی ایک اہل حدیث محقق (مولانا غلام رسول مہر) ہی کو عطا فرمائی۔'' (تنزیل)۔

کیا کہ تحریک جہاد صرف سکھوں کے خلاف برپا ہوئی۔ مولانا تھانیسری کو عمر قید بعبور دریائے شور (کالا پانی) کی سزا ملی تھی، جسے بھگت کر وہ ۱۸۸۳ء کے آخر میں واپس وطن لوٹے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رنجیت سنگھ کی وفات پر بھی ایک مدت گزر چکی تھی۔ انگریز پورے پنجاب پر اپنا تسلط جما چکا تھا اور سکھوں کی فوجی قوت بالکل منتشر ہو چکی تھی۔ انہوں نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے مکتوبات میں بھی بعض مقامات میں ردو بدل کر دیا۔ جو انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں اور ان کا الگ مجموعہ بھی مرتب کیا[۱]۔''

الزام تراشی سے پہلے امیر مجاہدین سید احمد شہید کے نظریات، بیانات اور مکتوبات کا مطالعہ ضروری تھا۔ سید احمد شہید ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''چند سال پہلے ہندوستان کی حکومت، سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائی اور مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصے پر قبضہ کر لیا ہے اور ظلم و بیداد شروع کر دی ہے۔ کفر و شرک کی رسوم کا غلبہ ہو گیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ گئے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا۔ دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہوا[۲]۔''

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تا کہ اس کو ہر شرک و کفر سے پاک کیا جائے۔ اس لئے کہ میرا مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان (سرحد و افغانستان) میں سکونت اختیار کرنا[۳]۔''

---

(۱) ہفت روزہ ''الاعتصام'' (لاہور) ۱۱/۱۱ اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

(۲) سیرت سید احمد شہید: ۳۵۷/۲، سید بادشاہ کا قافلہ: ۶۶، شہید بالاکوٹ: ۹۵، ۹۶۔

(۳) جماعت مجاہدین: ۱۵، سیرت سید احمد شہید: ۶۳/۲، ۳۶۲، اہل حدیث اور سیاست: ۶۴، سید بادشاہ کا قافلہ: ۶۶، شہید بالاکوٹ: ۹۷، ۹۸۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سید صاحب کا اصل مقصد انگریزوں سے جہاد کرنا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر نے سید احمد شہید کے مکاتیب اور خطبات سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ سید صاحب انگریزوں کو مسلمانوں کے لئے سکھوں سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ سرحد کی طرف ہجرت کا مقصد غاصب انگریزوں سے ہی جہاد کرنا تھا۔

﴾۴﴿ سید احمد شہید کی بیعت امامت ڈکٹیٹر شپ کا اعلان تھی

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم رقم طراز ہیں کہ:

''غلطی یہ ہوئی کہ شاہ عبد العزیز کے فیصلہ یعنی بورڈ کی حکمت کو نہ سمجھ کر سید صاحب کو امیر مطلق یعنی امام کے درجہ پر مان لیا گیا۔ یہ ان لوگوں کی مداخلت سے ہو جو امام عبد العزیز کے ترتیب یافتہ نہ تھے۔ آخر کار جو شکست ہوئی اس میں اس اصولی تبدیلی کا بڑا دخل ہے۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۵۷، طبع المحمود اکیڈمی)۔

ایک دوسرے مقام پر ''تاریخ سازی'' کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں۔

''حزب ولی اللہ کا جو طریقہ حکومت تھا بدل گیا اور بورڈ کی امامت کی جگہ شخصی امارت (ڈکٹیٹر شپ) نے لے لی۔ سید احمد شہید امیر المومنین اور دنیائے اسلام کے مصلح خلیفہ مانے جانے لگے۔ اب وہ ساری دنیا کے ایک بڑے امیر بن گئے۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۸۰)۔

جواب: (☆)

سید احمد شہید کی امارت وامامت پر باضابطہ بیعت ۱۲/ جمادی الآخر ۱۲۴۲ھ بمطابق ۱۱/ جنوری ۱۸۲۷ء کو لوگوں کی دلی تائید سے ہوئی۔ اور سب ہی اس بیعت امارت وامامت پر متفق تھے مگر افسوس کہ مولانا عبید اللہ سندھی اسے امامت یا بیعت نہیں بلکہ ''ڈکٹیٹر شپ'' کہتے ہیں، یہی

☆ از قلم محمد تنزیل۔

نہیں بلکہ موصوف کا خیال ہے کہ مجاہدین نے سید صاحب کے دست مبارک پر امامت کی بیعت کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا اور یہی وجہ تحریک کی ناکامی کا سبب بنی۔

اگر بیعت امامت ہی ڈکٹیٹر شپ ہے۔ تو موصوف کا ہمارے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی بیعت سے متعلق کیا خیال تھا، اگر یہ بیعت کوئی غلط چیز ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت کو ہم کیا کہیں گے۔ دیوبندی جماعت کے خود ساختہ معرکہ، معرکہ شاملی (۱) کہ موقعے پر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی بیعت کیا معنی رکھتی ہے، موصوف اسے کس نظر سے دیکھتے تھے۔ کیا موصوف کے خیال سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی بیعت امارت بھی ''ڈکٹیٹر شپ'' تھی؟

ان کی آنکھوں میں آئیں تو ستارے آنسو
ہماری آنکھوں میں آئیں بیچارے آنسو

بیعت امارت کسی تنظیم کو منظم کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ منتشر کرنے کے لئے، مولانا سندھی کا، اس کو تحریک کی ناکامی کی وجہ قرار دینا سراسر تاریخی بددیانتی ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی آج ہم میں موجود نہیں۔ اگر معاملہ ذات کا ہوتا تو بخدا میں یہ تحریر سپرد قلم کرنے کی جرات نہ کرتا، مگر معاملہ دین کا ہے۔ گو کہ وہ خود تو اس دنیائے فانی سے جا چکے ہیں مگر اپنے خیالات و افکار کو تحریروں کے ذریعے خلعت دوام بخش گئے ہیں۔ جب تک یہ تحریریں موجود ہیں تاریخ کے طالب علم کو دھوکہ دیتی رہیں گی۔ لہٰذا اس کی تردید ضروری ہے۔

بیعت امامت کو اس تحریک کی ناکامی کی وجہ قرار دینا ہمارے لئے نہایت تکلیف دہ بات تھی۔ تحریک کی ناکامی وجوہات کیا تھیں؟ اس پر بیشتر اہل علم لکھ چکے ہیں قارئین وہاں رجوع کر سکتے ہیں (۲)۔

---

(۱) معرکہ شاملی کی حقیقت جاننے کے لئے دیکھئے: ''اہل حدیث اور سیاست'': ۳۷۲۔۳۸۸ اور ''علماء دیوبند کا ماضی تاریخ کے آئینے میں'': ۱۴۶۔۱۵۸۔

(۲) ملاحظہ ہو: سوانح احمدی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر، سیرت سید احمد شہید، تجدید و احیائے دین وغیرہ اور کتاب ہذا۔

مولانا مسعود عالم ندوی نے بھی بیعت امامت سے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی کے نظریات پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے اور خوب لکھا کہ:

''آخر ہم ساحران فرنگ کی ابلہ فریبیوں کا کب تک شکار بنے رہیں گے؟ جمہوریت کی ''نیلم پری'' کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہو، دنیا عارف سیالکوٹی کی زبان سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

اور آج یہ حقیقت بھی الم نشرح ہوچکی ہے
کہ از مغز دوصد خر کار انسانے نہ می آمد[1]۔''

---

(۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (طبع ثالث): ۳۹۔

﴿۵﴾ سرحد میں سید احمد شہید نے نفاذ شریعت میں جلدی کی، جو کہ تحریک کی ناکامی کا سبب بنی

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی تحریک المجاہدین کی ناکامی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ کسی غرض کے لئے نہیں لڑ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر بار کو ایک بلند مقصد کے لئے ترک کیا تھا۔ یہ مقصد اس مسلم علاقے میں ایک اسلامی حکومت کا قیام تھا جہاں غیر مسلموں نے اقتدار حاصل کر لیا تھا انہوں نے یہ خیال کیا کہ ایسا کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان علاقوں میں جنہوں نے سید احمد کی قیادت کو تسلیم کر لیا ہے قوانین شریعت پوری طرح فوراً نافذ نہ کئے جائیں۔ انہوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ قرآن عربوں پر ایک ہی دن میں نافذ نہیں کر دیا گیا تھا۔''

(برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ: ۲۶۰۔۲۶۱، مترجم ہلال احمد زبیری، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی)۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

''سید احمد کے بہت سے پیرو ایسے معاملات میں جو اسلام کے بنیادی خصائص نہیں تھے بہت زیادہ سختی سے کام لیتے تھے...... قبائلی کٹر حنفی تھے اور نماز کے ارکان میں بعض پرجوش مصلحین نے جو تبدیلیاں کی تھیں انہیں وہ معترضانہ نظر سے دیکھتے تھے۔'' (برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ: ۲۶۱)۔

اس دوسری وجہ سے متعلق ڈاکٹر صاحب نے وہابیوں کے ''مہربان خاص'' مولانا عبید اللہ سندھی کا حوالہ (شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک :۹۴طبع لاہور ۱۹۵۲ء) بھی دیا ہے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی کی تحریر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ:

(۱) سید احمد شہید اور خصوصاً ان کے رفقا کار نے اسلامی قوانین کے نفاذ میں جلدی کی۔ جبکہ حضرت محمد ﷺ نے اسلام کو عربوں پر ایک دن میں نافذ نہیں کر دیا تھا۔

(۲) سید احمد شہید کے رفقاء نے نماز میں ''وضع الیدین علی الصدر، رفع الیدین، آمین بالجہر وغیرہ شروع کر دی تھی، جو انہیں مصلحت کے پیش نظر نہیں کرنی چاہئے تھی۔

جواب:

اب ان الزامات کا مختصراً جائزہ لیجئے۔

حیات طیبہ کے دو دور ہیں ایک مکی دوسرا مدنی۔ مکی دور میں توحید خالص اور اصلاح نفس پر زور دیا گیا ہے، جبکہ مدنی دور میں مکمل ضابطہ حیات دیا گیا۔ حکمرانی کے اصول، شریعت کی پابندی، جہاد کی تیاری، دعوت حق کی اشاعت وغیرہ۔ ہجرت کے بعد پہلی جنگ (غزوۂ بدر) سے مسلسل آپ نے جہاد کیا۔ (یہ جہاد صرف جنگ کے میدان تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ہر برائی کے خلاف جہاد کیا گیا۔ غرضیکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین پر بڑی محنت کی کہ وہ اسلام کے ضابطوں سے واقف ہو سکیں اور ان پر عمل کو ضروری قرار دیا، شریعت کی مکمل پابندی کی خاص تاکید کی)۔

شریعت کی سختی سے پابندی کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت محمد ﷺ بھی چوری کے جرم میں ماخوذ ہوتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔'' غور کیجئے اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوگا کہ دور خلافت اول کے ابتدائی دور میں زکوۃ نہ دینے والوں کے

خلاف سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے دوٹوک فرمایا تھا کہ ''جو شخص رسول اللہ ﷺ کو اونٹ کی نکیل بھی زکوۃ میں دیتا تھا تو وہ بھی وصول کی جائے گی۔'' آپ نے کسی مصلحت کو قبول نہیں کیا۔

دوسرے حصے کا جواب یہ ہے کہ سیدین شہیدین کی تحریک میں اہل حدیث اور حنفی دونوں مسلک کے لوگ شامل تھے اور دونوں اپنے اپنے مسلک پر عمل کرتے تھے۔ رشد و ہدایت کا کام بھی جاری تھا۔ کسی پر سختی نہ تھی، اس میں بہت حد تک کامیابی ہوئی۔ علاقے کا علاقہ پابند شریعت ہو گیا۔

جہاد میں ناکامی کی اصل وجہ جس کی طرف محترم ڈاکٹر صاحب کی نگاہ نہ گئی وہ تھی رشوت ستانی، سازشیں اور درانی سرداروں کی نفس پرستی جیسا کہ ولیم ولسن ہنٹر نے ''رشوت'' کو ''ڈپلومیسی'' لکھا ہے جناب ڈاکٹر صاحب نے دانستہ یا نادانستہ طور پر شکست کے اصل سبب کی نشاندہی نہیں کی۔

درانیوں کا سردار سلطان محمد خان جو باوجود امیر المجاہدین سے بیعت کے اور وعدہ وعید کے عہد شکنی کرتا رہا تھا، بالآخر سید احمد شہید سے بالمشافہ گفتگو کرنے پر تیار ہوا۔ ہزار خانی کے میدان میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ سید صاحب نے پوچھا کہ بار بار عہد شکنی، فوج کشی اور کافروں کا ساتھ دینے کا کیا سبب ہے؟

سلطان محمد خان نے بڑی معذرت کی، اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور شرمندگی کا اظہار بھی کیا۔ پھر اپنی جیب سے لپٹا ہوا کاغذ نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ جس پر ہندوستان کے بہت سے علماء، پیرزادوں اور خانقاہ نشینوں کی مہریں ثبت تھیں۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے اور سوچیئے کہ قرآن وسنت کی آواز بلند کرنے والوں پر کیسے کیسے وار کئے جاتے ہیں۔ لکھا تھا کہ:

> ''تم سرداروں اور خوانین کو اطلاعاً لکھا جاتا ہے کہ سید احمد نامی ایک آدمی چند علمائے ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت کے ساتھ تمہارے ملک میں گئے ہیں۔ وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ صرف ان کا مکر و فریب ہے وہ ہمارے اور تمہارے دین و مذہب کے خلاف ہیں۔ انہوں نے ایک نیا دین و مذہب نکالا

ہے۔ وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے سب کو بُرا کہتے ہیں۔ وہ انگریزوں کے بھیجے ہوئے تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے گئے ہیں۔ تم کسی طرح ان کے وعظ ونصیحت کے دام میں نہ آنا۔ عجب نہیں کہ تمہارے ملک کو چھنوا دیں۔ جس طرح سے ہو سکے ان کو تباہ کردو اور اپنے ملک میں جگہ نہ دو۔ اگر اس معاملے میں سستی اور غفلت سے کام لوگے تو پچھتانا پڑے گا اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا[۱]۔''

سرحد کے خوانین، ملکیوں اور سادات کے نام اور بھی اس طرح کے مکتوبات بھیجے گئے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ گلہ کہ سید احمد شہید نے نفاذ شریعت میں جلدی کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں سرحدی کافر تھے یا مسلمان اگر کافر تھے تو ان سے کوئی تعرض نہیں لیکن اگر مسلمان تھے تو پھر شریعت کی پابندی ان پر لازم تھی۔ آخر سرحد میں ہزاروں لوگوں نے اسلامی دعوت کو کیسے قبول کرلیا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ انہی مصلحت کوشیوں کے باعث پچاس سال میں بھی اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکا۔ شریعت محمدیہ کی پابندی میں مصلحت کی کوئی گنجائش نہیں۔

---

(۱) سیرت سید احمد شہید جلد دوم۔

﴿۶﴾ شیخ عبدالحق بنارسی زیدی (شیعہ) تھے اور انہیں امیر شہید نے اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم رقم طراز ہیں کہ:

''امیر شہید نے ان کے رہنما کو جو مولانا محمد اسمٰعیل اور امام شوکانی دونوں کا شاگرد اور زیدی شیعہ تھا، اپنی جماعت سے نکلوا دیا۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۸۳ طبع المحمود اکیڈمی)۔

اسی طرح سے ایک اور جگہ پر رقم طراز ہیں کہ:

''وہ ہندوستانی عالم جو کہ مذہباً زیدی شیعہ تھا اور امیر شہید نے اسے اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا، وہ بھی مولانا ولایت علی کے ساتھ شامل ہو گیا۔ نواب صدیق حسن خان اسی استاد کے توسط سے امام شوکانی کے شاگرد ہیں۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۰۳)۔

کتاب کے ضمیمہ جات میں ان کا تذکرہ کچھ اس طرح آیا ہے۔

''مولانا ولایت علی کے ساتھ مولانا عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی بھی شریک ہو گئے۔ موصوف شاہ اسماعیل شہید سے خاص تعلق رکھتے تھے اور آپ نے امام شوکانی سے بھی پڑھا تھا۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۹۹)۔

جواب: ☆

مولانا مسعود عالم ندوی نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ

''اہل حدیث عالموں کے جس رہنما کو مولانا (عبیداللہ سندھی) زیدی شیعہ کہتے ہیں وہ شیخ عبدالحق بنارسی مہاجر مکی (ف ذوالحجہ ۱۲۸۹ھ) ایک متبع سنت سلفی عالم ہیں ان پر زیدیت اور شیعیت کا الزام عائد کرنا بڑا ظلم ہے۔''(۱)

شیخ عبدالحق بنارسی یمن کے محدث وفقیہ امام محمد بن علی شوکانی کے شاگرد تھے اور مولانا عبیداللہ سندھی، امام شوکانی کو بھی زیدی شیعہ سمجھتے ہیں اسی لئے ان کے تلمیذ خاص شیخ عبدالحق بنارسی پر زیدیت کا الزام لگایا ہے جب کہ امام شوکانی بھی متبع سنت اہل حدیث عالم دین ہیں، ان پر بھی زیدیت کا الزام سراسر بہتان ہے، مولانا مسعود عالم ندوی نے اس کی بھی تردید کی ہے (۲)

خود مولانا سندھی بھی امام شوکانی کے علم وفضل کے معترف ہیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ:

''میں ایک طویل عرصے تک امام موصوف (امام شوکانی) کی تصنیفات سے استفادہ کرتا رہا اور مجھے اس کے اعتراف کرنے میں تامل نہیں ہے کہ ان کتابوں کی مدد سے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ارباب تحقیق کے طریقہ کو سمجھنا آسان کر دیا۔ لیکن امام شوکانی کے بہت سے اجتہادی مسائل ایسے ہیں جن سے مجھے اتفاق نہیں۔ بہرحال میں مانتا ہوں کہ وہ منصف مزاج عالم دین ہیں۔ اصول وفروع میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں۔''(۳)

اب رہا یہ کہ امیر شہید نے شیخ عبدالحق بنارسی کو اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا۔ مولانا مسعود عالم ندوی کہتے ہیں کہ:

☆ ازقلم محمد تنزیل۔

(۱) مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر: ٧٦، طبع دوم۔

(۲) مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر: ٨٢، ٨٣۔

(۳) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ١٧٩۔

''ہمیں نہیں معلوم کہ امیر شہید نے انہیں کب ''جماعت سے نکلوا دیا تھا'' کیا اس کا
کوئی مستند ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟۔؟[۱]

مولانا سندھی نے اس کے جواب میں کہا کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک رسالہ دیکھا ہے۔ جس میں مولوی عبدالحق بنارسی کے اخراج کا واقعہ مذکور ہے[۲]۔ مگر بعد میں ایک مکتوب جو کہ مولانا سندھی نے مولانا مسعود عالم ندوی کو لکھا، اس میں تذکرہ کچھ یوں ہے۔

''آپ براہ مہربانی شیخ عبدالحق بنارسی کا ترجمہ سلسلۃ العسجد میں دیکھ لیں جو نواب صاحب نے سلسلہ اسانید کے آخر میں ذکر کیا ہے — ان کے اخراج کا واقعہ ایک رسالہ میں چھپا ہوا ہم نے مکہ معظمہ میں پڑھا تھا۔ وہ رسالہ مولانا احمد سعید کے خاندانی کتب خانہ میں موجود ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے کا مطبوع ہے۔ شاہ عبدالغنی کی اس پر مہر ہے۔ شاہ اسحاق قدس سرہٗ کے فتاوے بھی اس میں درج ہیں، اور سید محمد علی رامپوری کا مختصر بیان بھی مذکور ہے۔ اگر کہیں سے مل سکے تو اسے ضرور دیکھئے[۳]۔''

افسوس کہ اب نہ اس کی تحقیق کی جا سکتی ہے اور نہ ہی کوئی سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ کاش کہ مولانا عبیداللہ سندھی اس رسالے کا نام بھی بتا دیتے اور اس کی مکمل کیفیت سے بھی آگاہ کر دیتے۔ مولانا سندھی پہلے تاریخ نویس ہیں جنہوں نے اس بات کا انکشاف کیا ہے، مگر کسی مستند و ٹھوس ثبوت کے بغیر۔

مولانا سندھی اہل حدیث کے خیر خواہ نہیں تھے ان کی طنز و تشنیع سے بھری ہوئی تحریریں شاہد ہیں کہ وہ اہل حدیث کے کٹر مخالف تھے۔ اپنی ہر تحریر میں اہل حدیث کی تنقیص و تذلیل کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال لایا کرتے تھے نجانے اس بات کی کیا حقیقت ہے۔ ورنہ

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو؟
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے!

---

(۱) مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر: ۶۷۔

(۲) ماہنامہ: ''برہان'' (دہلی) مئی ۱۹۴۳ء۔

(۳) مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر: ۳۰۔

﴿۷﴾ مولانا ولایت علی صادق پوری حنفی تھے

مشہور محقق پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری نے مولانا ولایت علی صادق پوری کا ایک بیان **"الدر المنثور فی تراجم اھل الصادق فور المعروف به تذکرہ صادقه"** سے یوں کاٹ چھانٹ کر پیش کیا ہے کہ

> "میں حنفی المذہب ہوں اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر کسی فقہی مسئلہ کے خلاف عمل کرے تو وہ مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا۔" (ماہنامہ "البلاغ" (کراچی) جولائی ۱۹۷۰ء: ۳۲)۔

جواب:

حقیقت کچھ یوں ہے کہ پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری شروع اور آخر کے کچھ حصے حذف کر گئے اور اس طرح بات صحیح سے واضح نہ ہوسکی۔ اس کی تفصیل "تذکرہ صادقہ" میں کچھ اس طرح ہے۔

> "اس ملت حقہ کی زور افزوں ترقی اور اشاعت قرآں واحادیث دیکھ کر کوتاہ بیں لوگوں نے مولوی محمد فصیح صاحب غازی پوری کو دو ہزار انعام کے وعدہ پر علمائے حق سے مناظرہ کرنے کے لئے مدعو کیا۔ مناظرہ کے دن مولوی ولایت علی صاحب نے مولوی محمد فصیح کی مع ان کے ہمراہیوں کے دعوت کی۔ بہت سے علماء اور فضلا اور خاص وعام جمع ہوئے مگر مولانا (ولایت علی) نے مولی محمد فصیح صاحب کو علیحدہ کمرے میں لے جا کر بحاضری چند اشخاص ان سے فرمایا کہ میں حنفی المذہب ہوں اور یہ مسئلہ متفق علیہ

ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر کسی مسئلہ فقہی کے خلاف عمل کرے تو وہ مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا بمجوائے قول امام علیہ الرحمۃ ''اترکو قولی بخبر الرسول'' (میرے قول کو حدیث رسول ﷺ کے مقابلہ میں ترک کردو) یہ کلیہ مناظر صاحب کے فہم عالی میں آگیا اور انہوں نے حق کی طرف داری کرتے ہوئے مجمع عام میں با آواز بلند فرمایا کہ یہ جماعت حق پر ہے۔[1]''

مگر پھر ہوا کچھ یوں کہ جب مولوی محمد فصیح صاحب واپس اپنی قیام گاہ میں گئے تو ان کے مریدوں اور جن لوگوں نے موصوف کو مناظرہ کے لیے تیار کیا تھا، انہوں نے مولوی صاحب کو شرمندہ کیا اور انہیں دوبارہ برسر عام بحث کرنے پر مجبور کیا، چنانچہ دوبارہ مناظرہ ہوا۔ نیتجتاً مولوی صاحب موصوف نے ایک بار پھر حق کا اعتراف کیا۔ مگر اس دفعہ ان سے تحریری طور پر لکھوالیا گیا۔ انہوں نے کیا لکھا، آیئے مولانا عبدالرحیم صادق پوری کی زبانی سنتے ہیں:

''مگر اس بار ضرورتاً مباحث بالاختصار قلمبند کر کے مناظر مولوی فصیح صاحب غازی پوری سے اقرار دستخطی کرالئے گئے۔ جن کا خلاصہ یہ تھا پابند مذہب حنفی اگر بوجہ ترجیح بالدلیل کسی حدیث صحیح غیر منسوخ پر مثل رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ کے عمل کرے تو وہ اپنے امام کے اتباع سے خارج نہیں ہوتا۔[2]''

غور کیجئے۔ یہاں اتباع کا لفظ استعمال ہوا ہے تقلید کا نہیں۔ اتباع کے معنی ہیں ہر مسئلہ میں دلیل طلب کیا جائے، اور تقلید کے معنی ہیں کسی کے قول کو بلا حیل وحجت تسلیم کرلیا جائے۔

مناظرہ رفع یدین اور آمین بالجہر سے متعلق تھا احناف ان دونوں عمل سے سخت نالاں ہیں۔ امام ابوحنیفہ اسی قرآن وحدیث کو ہدایت کا سرچشمہ قرار دیتے تھے اور اسی پر مضبوطی سے

---

(۱) الدر المنثور فی تراجم اھل الصاد قفور: ۱۵۔ ''علیحدہ'' پر یہ حاشیہ بھی درج ہے ''مجلس عام میں گفتگو ہونے سے انسان حق کے قبول کرنے سے شرم کرتا ہے اور اصرار پر آمادہ ہوجاتا ہے۔''

(۲) تذکرہ صادقہ: ۱۵۸۔

قائم رہنے کی تلقین کرتے تھے اور تقلید سے باز رہنے کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ کا مشہور قول ہے کہ ”جب میرا کوئی ایسا قول پاؤ جو کتاب اللہ یا ارشاد رسول ﷺ کے خلاف ہو تو اسے ترک کردو۔“ اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ ”جب کوئی صحیح حدیث سامنے آجائے تو سمجھ لو کہ یہی میرا مذہب ہے۔“ امام صاحب کے الفاظ ہیں "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" اور یہی قول بقیہ تینوں اماموں کا ہے۔ اہل حدیث امام ابوحنیفہ کے اس قول پر عمل کرتے ہیں جبکہ احناف کا عمل اس کے برعکس ہے۔

یہ کہنا کہ پہلے یہ لوگ (علماء صادق پور) حنفی تھے بعد میں یہ لوگ اہل حدیث ہوئے تو یہ کہنا نہایت ہی مہمل سی بات ہے۔ اس وقت برصغیر ہر قسم کے بدعات اور ہندوانہ رسوم میں گم تھا جب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خانوادے نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور قرآن وسنت کی دعوت دی۔ حق ظاہر ہو گیا تو بہت سے لوگوں نے لبیک کیا۔ شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کا گھرانہ بھی حنفی المذہب تھا مگر وہی سید نذیر حسین برصغیر ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے ایک نامور محدث ہوئے اور انہوں نے تقلیدی بکھیڑوں سے نکل کر حق کے دامن میں پناہ لی۔

مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں کہ:

”پٹنہ کے مولانا ولایت علی معرکۂ بالاکوٹ میں موجود نہ تھے۔ موصوف مولانا اسماعیل شہید کی اس جماعت کے خاص رکن تھے جو مولانا شہید نے حجۃ اللہ پڑھنے کے بعد اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت بنائی تھی یہ لوگ رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر کیا کرتے (۱)۔“

مزید لکھتے ہیں کہ:

”مولانا ولایت علی کی تحریک کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ مولانا اسماعیل شہید کی اس خاص جماعت جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اسی

---

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۰۲۔

لئے مولانا نذیر حسین اور نواب صدیق حسن جیسے عالم بھی ان کا ساتھ دیتے تھے[۱]۔"

مولانا ولایت علی صادق پوری نے رد بدعات اور تقلید جامد کے خلاف مختلف رسائل لکھے ہیں۔ایک رسالہ "عمل بالحدیث" بھی ہے۔اس کے پڑھنے کے بعد کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ حنفی تھے۔کتاب کے فصل دوم میں لکھتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ جو آدمی ان پڑھ ہو اور اپنے دوسرے مشاغل کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے دور ہو اور علماء سے پوچھ لینے ہی پر اکتفا کرتا ہو تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ علماء محدثین و دیندار سے جو دیانت اور خوف خدا میں اور قرآن و حدیث کے جاننے میں مشہور ہوں ان سے اس طرح سوال کرے کہ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں محمدی طریقہ بتائیے[۲]۔"

غور کیجئے! مولانا موصوف کسی ان پڑھ کو بھی یہ مشورہ نہیں دیتے کہ کسی ایک امام کا دامن پکڑ لو اور سب بیڑا پار ہو جائے گا۔ بلکہ مشورہ دیتے ہیں تو یہ کہ "کسی محدث اور دینداری میں مشہور شخص کے پاس جائے اور یہ کہے کہ اس کو محمدی طریقہ بتایا جائے نہ کہ فقہی طریقہ۔"

مولانا سندھی مرحوم کے بقول، موصوف مولانا محمد اسماعیل شہید کی اس "جماعت خاص" کے خاص رکن تھے۔وہ "خاص جماعت" کیا تھی؟ — مردہ سنتوں کو زندہ کرنے والی۔

مولانا ولایت علی کی تبلیغ سے ان کا پورا خاندان و کنبہ اہل حدیث بنا۔مولانا عبدالرحیم صادق پوری، آپ سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"آپ کی تحصیل قرآن و احادیث اور وعظ و نصائح سے ملک ہندوستان میں عمل

---

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۰۴۔

(۲) رسالہ "عمل بالحدیث" فارسی میں لکھا گیا تھا، فصل دوم کے آغاز [illegible] یہ بات [illegible] ہے۔ یہ اردو ترجمہ مولانا نذیر احمد رحمانی کا [illegible] ہے۔ اہل حدیث [illegible]: ۱۹۱۔

بالحدیث کا چرچا ہوا اور تقلید و تعصب کی بنا کمزور و مضمحل ہونے لگی۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی محبت اور ان کی ترویج نے حق کو روشن کردیا جاء الحق وزھق الباطل [1]۔"

---

(۱) تذکرہ صادقہ: ۱۵۵۔

﴿۸﴾ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی ہجرت کر کے ستھانہ جا بسے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی

سید طفیل احمد صاحب منگلوری کی ایک تحریر ملاحظہ ہو:

''چنانچہ مولوی ولایت علی مع اپنی جماعت کے پٹنہ واپس آ گئے اور ان سے چند سال کے لئے مچلکے لے لئے گئے کہ وہ سرحد کو نہ جائیں۔ مگر مچلکوں کا وقت گزر جانے کے بعد مولوی ولایت علی، عنایت علی وغیرہ اپنی جائیدادیں بیچ کر اور یہاں سے ہجرت کر کے ستھانہ جا رہے اور وہیں گوشہ نشین ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔'' (مسلمانوں کا روشن مستقبل: ۱۲۲ مطبع حلیمی دہلی)۔

جواب:

پہلے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا ایک بیان پڑھئے:

''بیس برس متواتر جنگ رہنے اور بکثرت فتحمند (فتح مند) ہونے اور اپنوں کی غداریوں کی بناء پر جبکہ ۱۸۳۱ء میں حضرت سید صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب اور بہت سے مجاہدین شہید ہوئے ہیں اور باقی ماندہ لوگوں میں سے بہت حضرات اپنے اپنے اوطان کو واپس آ جاتے ہیں تب بھی ایک جماعت مسلمان مجاہدین کی وہاں باقی رہتی ہے اور اپنی تمام جدوجہد کی کاروائیوں کو سرگرمی کے ساتھ عمل میں لاتی رہتی ہے[1]۔''

فاجعہ بالاکوٹ کے خوں پیاں حادثے کے بعد مختلف لوگوں نے سلسلہ جہاد جاری رکھا

(۱) نقش حیات: ۳۲/۲۔۳۳، علماء احناف اور تحریک المجاہدین: ۳۲۔

تا آنکہ مولانا عنایت علی صادق پوری سرحد پہونچے تو مجاہدین میں ایک نیا ولولہ اور عزم پیدا ہو گیا اور جہاد کا کام زور وشور کے ساتھ جاری ہو گیا۔

مچلکہ [۱] کی مدت ختم ہوتے ہی دونوں بھائیوں نے مستقل سرحد ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا ولایت علی صاحبؒ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی کو جو اس وقت بنگال کے تبلیغی دورے پر تھے، کو بلا کر ستھانہ روانہ کر دیا۔ وہاں لوگوں نے اتفاق رائے سے مولانا عنایت علی صاحب کو امیر تسلیم کر لیا۔ آپ کی قیادت میں سکھوں سے مختلف جھڑپیں ہوئیں۔ جہاں کہیں بھی موقع ملا، مولانا عنایت علی بڑی پامردی سے ان پر جھپٹ پڑے۔

ایک مکتوب (مرقومہ اکتوبر ۱۸۴۶ء) کے مطابق مولانا عنایت علی سادات کاغان اور دوسرے مقامی لوگوں کی مدد سے دسمبر ۱۸۴۵ء میں بالاکوٹ کو سکھوں سے آزاد کرالیا تھا، راجہ کو مسلسل شکست ہوتی رہی تھی۔

مولانا عنایت علی کے سرحد پہونچنے کے چند سال بعد مولانا ولایت علی بھی ستھانہ تشریف لے آئے اور امارت کا بار سنبھالا۔ سرحد میں پہونچنے کے بیس ماہ بعد ۵/نومبر ۱۸۵۲ء کو بعمر ۶۴/سال مولانا ولایت علی نے انتقال فرمایا۔ آپ کے انتقال کے بعد مولانا عنایت علی کو لوگوں نے دوبارہ امیر تسلیم کر لیا۔ جب گلاب سنگھ انگریزوں کی طفولیت میں چلا گیا تو پھر انگریزوں سے براہ راست جنگیں ہوتی رہیں۔ بقول ولیم ولسن ہنٹر کہ ''یہ لوگ ہمارے وبال جان تھے، ہر جنگ کے بعد نئے ولولے سے آتے تھے۔''

مولانا عنایت علی صاحب میں کتنی جنگی صلاحیتیں تھیں مسعود عالم ندوی کی زبانی سنیئے:

''مولانا عنایت علی غازی کی صحیح جگہ میدان جنگ تھی اور یہیں ان کے حقیقی جوہر کھلتے تھے [۲]۔''

(۱) ۱۸۴۶ء میں امیر المجاہدین مولانا ولایت علیؒ سے انگریزوں نے مچلکہ لیا تھا جس کی وجہ سے وہ تقریباً ۲/سال عظیم آباد میں رہے (تنزیل)۔

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۵۹، طبع ثالث۔

مسٹر جیمس اوکنلے نے لکھا ہے کہ۔

''مولانا عنایت علی نے اپنے ہمراہیوں کے دل میں انگریز کافروں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مجاہدین روزانہ قواعد کرتے بلکہ بعض اوقات دن میں دو مرتبہ۔ قواعد میں فضائل جہاد کے متعلق نظمیں پڑھی جاتیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد بہشت کی شادمانیوں کے بارے میں وعظ کئے جاتے اور انہیں تلقین کی جاتی کہ صبر و استقامت سے اس وقت کا انتظار کرو جب برطانوی ہند کے تسخیر کی موعودہ ساعت آپہنچے گی[1]۔''

صادقین صادق پور نے بالاکوٹ کے حادثے کے بعد علم جہاد کو بلند رکھنے کے لئے کن کن مصائب کا سامنا کیا اور کن کن مشکلات سے انہیں گزرنا پڑا، تاکہ تحریک جہاد جاری رہے۔ آباد شاہ پوری لکھتے ہیں کہ:

''عورتوں اور بچوں سمیت پورا گھرانا دعوت حق کے رنگ میں ایسا رنگا کہ برصغیر کا کوئی اور گھرانا اس باب میں اس کا ہمسر نہ تھا۔ سکھوں کے ساتھ پہلی جنگ میں جو پہلا شخص راہ خدا میں شہید ہوا وہ اسی خاندان کا ایک نوجوان مولانا ولایت علی کا چچازاد بھائی ــــ باقر علی تھا اور پھر تو کم وبیش ایک صدی یہ خاندان تحریک دعوت وجہاد میں اپنی قربانیوں سے رنگ بھرتا اور راہ حق وصدق میں عشق واخلاص کی ایسی تابناک مثالیں قائم کرتا رہا جن سے دعوت وعزیمت کی تاریخ کے اوراق ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے[2]۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اہل صادق پور کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ پوری تاریخ مہم جوئیوں اور قربانیوں اور ایسے حوادث ومصائب اور ایذا رسانی

---

(۱) سرگزشت مجاہدین: ۲۸۹، ۲۹۰، اہل حدیث اور سیاست: ۲۳۰، ۲۳۱، سید بادشاہ کا قافلہ: ۱۹۸۔

(۲) سید بادشاہ کا قافلہ: ۱۰۹۔

وبربریت کی داستان ہے، جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں، یہ مسلسل جنگوں اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ تھا۔ جو قتل وغارت گری، املاک وجائداد کی ضبطی، طویل مقدمات، جلاوطنی اور اخراج اور ایسی تحقیق وتفتیش پر مشتمل تھا جو قرون وسطی میں یورپ کی عدالتوں کے ساتھ مخصوص تھا اگر جاں نثاری، ایثار وقربانی اور ہمت وجوانمردی کے وہ سارے کارنامے جو اس ملک کے جہاد حریت اور قومی آزادی کی تاریخ سے متعلق ہیں۔ ایک پلڑہ پر رکھے جائیں اور اہل صادق پور (خاندان مولانا ولایت علی عظیم آبادی) کے کارنامے اور قربانیاں ایک پلڑہ میں تو آخر الذکر کا پلڑہ نمایاں طور پر بھاری ہوگا[1]۔''

اب کوئی طفیل احمد صاحب منگلوری سے پوچھے کہ گوشہ نشینی کے لئے خود ان کے شاندار مکانات تھے۔ دنیاوی عیش وعشرت کے تمام ساز وسامان موجود تھے۔ درس وتدریس کے لئے بہار، بنگال واودھ کے مردم خیز زمین کو چھوڑ کر سیکڑوں میل دور سرحد کی پہاڑیوں میں سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرکے جانے کی کیا ضرورت تھی، یہ مقصد تو وطن ہی میں رہتے ہوئے حاصل ہوجاتا۔

طفیل احمد صاحب منگلوری نے بہشت کی خوشنودی، صبر واستقامت اور فضائل جہاد کے بیان کو گوشہ نشینی اور درس وتدریس سمجھ لیا۔ کاش منگلوری صاحب ہنٹر اور اوکنلے کے بیانات بھی پڑھ لیتے۔ تاریخ نگاری منگلوری صاحب کے بس کی بات نہیں، ناول اور افسانے لکھتے تو بہتر ہوتا۔

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بے زار بیٹھے ہیں

---

(۱) جب ایمان کی بہار آئی: ۲۵۶۔

﴿۹﴾ علامہ شمس الحق ڈیانوی، مولانا ولایت علی صادق پوری سے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ وہ سید احمد شہید کے عقیدہ غیوبت کے قائل تھے

مولانا عبید اللہ سندھی رقم طراز ہیں کہ:

''آخر میں ہم صادق پوری پارٹی کے مرکزی فکر کے متعلق مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (تلمیذ خاص سید نذیر حسین) کی کتاب ''عون المعبود'' سے چند جملے نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔''

''اکثر عوام اور چند ایک خواص کا غازی شہید امام امجد سید احمد بریلویؒ کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ مہدی تھے نیز انہوں نے میدان غزا میں شہادت نہیں پائی بلکہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوگئے۔ وہ اب تک زندہ ہیں اور اس عالم میں موجود ہیں............ ہم اس غیر معقول اور بے بنیاد عقیدے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۰۴۔۱۰۵ طبع المحمود اکیڈمی)۔

''خواص'' پر یہ حاشیہ مولانا سندھی نے لکھا ہے:

''چند ایک خواص سے مراد مولانا ولایت علی ہیں............'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۰۵)۔

جواب: ☆

نہ معلوم مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے صاحب عون المعبود علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی کی اس تحریر کو "بطور خاص" امیر المجاہدین مولانا ولایت علی صادق پوری پر ہی کیوں چسپاں کیا۔ مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ:

"ہمارے شمس المحدثین کی پیدائش ۱۲۷۳ھ میں ہوئی......... غیبوبت کا عقیدہ یا خیال اگر کہیں تھا بھی تو اندر اندر، شمس المحدثین کے شباب تک تو وہ اندھی عقیدت ختم ہو چکی تھی، اور رہ گئی تھی تو بالکل برائے نام اور ایک محدود دائرے کے اندر، ان حالات میں ان کے لئے مولانا ولایت علی (جو ان کی ولادت سے چار برس پہلے جان، جان آفرین کے سپرد کر چکے تھے) کے خیالات کا پتہ لگانا بہت دشوار تھا[1]۔"

مولانا مسعود عالم ندوی مزید لکھتے ہیں کہ:

"ابھی (۱۹۴۳ء) مولانا شمس الحق مرحوم کے دیکھنے اور سننے والے بیسیوں اہل علم موجود ہیں جن میں سے بعض ممتاز حضرات کی خدمت میں اس خاکسار کو نیاز حاصل ہے اور ان میں سے اکثر سے راقم نے اس موضوع پر گفتگو کی، اور ہر ایک نے اس بات کی تائید کی کہ شمس المحدثین کا اشارہ مولانا ولایت علی کی طرف نہیں ہو سکتا[2]۔"

علامہ شمس الحق عظیم آبادی کا اشارہ جن عالم دین کی جانب تھا، مولانا مسعود عالم ندوی ان سے متعلق خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"عون المعبود" کی مندرجہ بالا عبارت میں مولانا کا اشارہ اپنے ایک عظیم آبادی

☆ از قلم محمد تنزیل۔

(۱) مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر: ۱۰۱ طبع دوم۔

(۲) مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر (حاشیہ): ۱۰۱۔

معاصر کی طرف تھا، جو ایک جید حنفی عالم تھے، اور شمس المحدثین کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے[1]۔"

مولانا مسعود عالم ندوی ان "عظیم آبادی معاصر" کا نام ظاہر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"غالباً ان کا نام مولوی محمد عظیم تھا، ہمیں جن بزرگ کے واسطے سے یہ روایت پہنچی، انہوں نے نام بتانے سے انکار کیا[2]۔"

ہمارے خیالات سے جن بزرگ کے توسط سے مولانا مسعود عالم ندوی کو یہ معلومات ملیں وہ مولانا عبدالغفار صادق پوری ہیں جو اس آخری دور میں تحریک المجاہدین کی تاریخ سے متعلق نہایت باخبر تھے اور علامہ شمس الحق کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ محمد ایوب ڈیانوی کی اہلیہ کے حقیقی برادر بزرگ تھے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کو ایک عرصے تک ان سے شرف مصاحبت بھی رہی ہے۔

علامہ شمس الحق کا اشارہ کسی طور پر بھی مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی جانب نہیں تھا۔ خود یہ عاجز بھی یہ بات دعوی سے کہہ سکتا ہے کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی کا اشارہ مولانا ولایت علی کی طرف ہرگز نہیں تھا مولانا عبیداللہ سندھی (جنہیں کبھی علامہ شمس الحق سے شرف مصاحبت حاصل نہیں رہی) نے نہ معلوم یہ بات کیسے لکھ دی۔ جب دل ودماغ تعصب کی گندگیوں میں گھرے ہوئے ہوں تو تاریخی حقیقت کو "مسخ" کرتے ہوئے ذرا عار محسوس نہیں ہوتی۔

مولانا ولایت علی پر عقیدہ غیوبت[3] کا الزام ان کی پرخلوص شخصیت پر ناپاک حملہ ہے۔ وہ "مرد مجاہد" جس نے اسلام کی سربلندی اور تحریک جہاد کی کامیابی کے لئے اپنا تن من دھن اور سب کچھ قربان کر دیا ہو، اس پر یوں بھونڈے الزام لگانا شرمناک فعل ہے۔

علامہ شمس الحق تو مولانا ولایت علی اور ان کی تحریک کے دل سے قدردان وبہی خواہ، تحریک

---

(۱) کتاب مذکور: ۱۰۱۔

(۲) کتاب مذکور (حاشیہ): ۱۰۱۔

(۳) اس الزام کی تردید کے لئے ملاحظہ ہو مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر نظر: ۹۳، ۱۳۰ طبع دوم۔

جہاد کی مالی اعانت کرنے والوں میں سرفہرست اور اہل صادق پور کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ یہ بات علامہ شمس الحق صاحب عون المعبود سے بہت بعید ہے کہ وہ مولانا ولایت علی امیر جماعت مجاہدین پر ایسے الزام لگائیں۔ مگر ہاں مولانا عبیداللہ سندھی سے یہ ذرا بعید نہیں کہ وہ تاریخی حقائق کو مسخ کریں۔

صاحب عون المعبودؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کا اشارہ کسی فرد واحد کی طرف نہیں بلکہ علماء وافاضل کے ایک خاص گروپ کی جانب ہے جو سید احمد شہیدؒ سے متعلق غیبوبت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ ان علماء میں مولانا محمد عظیم صاحب عظیم آبادی بھی شامل ہوں۔ مناسب ہوگا کہ ہم مولوی محمد عظیم صاحب عظیم آبادی سے متعلق بھی کچھ عرض کردیں، چنانچہ تلاش و بسیار کے بعد جو حالات مل سکے ہیں، وہ نذر قارئین ہیں۔

مولانا محمد عظم صاحب اصلاً پنجابی تھے، مگر ان کا مولد غالباً عظیم آباد پٹنہ ہی تھا۔ آپ کے اساتذہ میں مولوی عبدالرحیم صاحب (کابل) کا ذکر ملتا ہے۔ جو شیخ الکل سید نذیر حسین محدث بہاری کے شاگرد رشید تھے اس طرح شیخ الکل سید نذیر حسین آپ کے شیخ الشیوخ ہوئے۔

سارا زمانہ ہے خوشہ چیں تیرا
کسی کو نہیں شیخ الکل کا یہ لقب زیبا

مولوی صاحب موصوف حنفی المذہب تھے اور جید علماء احناف میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ تنگ نظری و تعصب سے دور تھے لہٰذا اپنے وقت کے کبار علماء اہل حدیث سے آپ کے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے آپ کو غالباً تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی جانب مطلق توجہ نہ تھی۔ ورگرنہ اس عاجز کو آپ کے حالات سے واقف ہونے کے لئے اس قدر دقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

﴿۱۰﴾ سید نذیر حسین محدث دہلوی نے مولانا محمد اسحٰق دہلوی سے کوئی سند نہیں لی اور نہ ہی وہ ان کے شاگرد ہیں

قاری عبدالرحمٰن پانی پتی تحریر کرتے ہیں کہ:

''اسی طرح سید نذیر حسین صاحب اور حفیظ اللہ خاں صاحب کبھی کبھی مسئلہ پوچھنے گویا کوئی لفظ جلالین کا پوچھنے کو جاتے تھے خدمت میں مولانا اسحاق صاحب قدس سرہٗ کی اور بوقت ہجرت میاں صاحب کے ایک ایک حدیث پانچ چھ کتابوں کی میاں صاحب کو سنا کر ایک پرچہ بطور سند کے لے لیا اور حفیظ اللہ خاں صاحب کو تو یہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ پھر قطب صاحب میں سید نذیر حسین صاحب نے اپنے خسر (مولانا عبدالخالق) کے پردے میں خلافت و جانشینی کی درخواست کی جواب سخت سن کے ناامید ہوئے اور بحضور حضرت میاں صاحب کے اپنے تئیں حنفی مذہب جتاتے رہے اور ابوحنیفہ کی طرف سے جواب دینے میں گرمی سے کف منہ میں آتا تھا پھر بعد ہجرت جناب میاں صاحب کے جو دہلی خالی پائی آپ محدث بن بیٹھے۔''

(کشف الحجاب: ۳۱ طبع پاکستان)۔

جواب:

شاہ محمد اسحاق صاحب نے ۱۸۴۱ء میں ہجرت کی، ۱۸۳۱ء سے لے کر ۱۸۴۱ء تک وہ غور وفکر

کرتے رہے کہ اپنی جانشینی کس کو عطا کریں۔ اس دس سالہ غور وفکر کے بعد آخر فال نیک میاں نذیر حسین صاحب کے نام نکلا اور شاہ محمد اسحاق صاحب نے انہی کو مسند درس دینے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''مدرسے کے دوسرے معلم مولوی عبدالخالق کے داماد شمس العلماء علامہ سید نذیر حسین تھے جن کے علم وفضل کا یہ مرتبہ تھا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکی نے ہجرت کے وقت افادہ وافتا اور تدریس کی خدمت ان کے سپرد کر کے اپنا خلیفہ وجانشین مقرر فرمایا تھا[1]۔''

شاہ ولی اللہ کے خاندان کے کسی فرد نے مخالفت نہیں کی، مگر دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگ ''چراغ پا'' ہو گئے اور طرح طرح کے من گھڑت روایات کا طومار لگا دیا۔ بظاہر ان کی خفگی کی ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ:

''ایک مرتبہ جناب مولانا (شاہ محمد اسحاق صاحب) کی خدمت میں ایک استفتاء اولاد ناجائز کے متعلق آیا۔ مولانا نے سب شاگردوں کو اس کا جواب لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ مگر میاں (سید نذیر حسین) صاحب کے سوا اور کسی نے جواب پر (غالباً بسبب اشکال مسئلہ) قلم نہ اٹھایا جواب کو دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک نظر آتی ہے بڑا تیز ہے[2]۔''

اس تعریفی جملے نے آگے چل کر نزاعی صورت اختیار کر لی۔ (بقول علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کہ ''مولانا سید نذیر حسین صاحب کی مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کی شاگردی کا مسئلہ بھی اہل حدیث واحناف میں مابہ النزاع بن گیا[3])۔''

---

(۱) مولوی نذیر احمد دہلوی احوال وآثار: ۴۶ طبع لاہور ۱۹۷۱ء۔
(۲) الحیاۃ بعد المماۃ: ۴۳ طبع اول۔
(۳) حیات شبلی: ۴۶۔

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کے سوانح نگار مولانا فضل حسین مظفر پوری رقم طراز ہیں کہ:

''جس وقت جناب مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز نے سال ۱۲۵۸ ہجری میں ہندوستان سے ہجرت کی۔ دہلی میں متعدد نامور علماء (جس میں سے اکثر جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے نہ صرف تلمیذ وتربیت یافتہ بلکہ درس وتدریس میں مشغول تھے اور باوجود اعلیٰ درجہ کا فضل وکمال رکھنے کے غایت عقیدت مندی کے ساتھ جناب شاہ صاحب کی خدمت کے ہمہ آن ملازم اور سالہائے دراز تک ان کے کلمات طیبات سے استفادہ کرنے والے اور ان کے خرمن فیض کے خوشہ چین رہ چکے تھے) موجود تھے خود جناب شاہ صاحب کے بھتیجے مولوی مخصوص اللہ مرحوم (مولانا شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے) جو پچیس برس تک اپنے حقیقی چچا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے حلقہ درس میں شریک اور عرصہ دراز تک خود بھی درس دیتے رہے تھے اور ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد موسیٰ اس وقت حی القائم موجود تھے علاوہ ان کے مولانا شاہ محمد اسحاق علیہما الرحمۃ کے مشاہیر تلامذہ دہلی اور مختلف بلاد اطراف ہند میں پھیلے ہوئے وعظ وارشاد ودرس وافتاء وغیرہ خدمات دین کو انجام دے رہے تھے، بلکہ بعض بعض صاحب سجادہ وطریقہ بھی تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا مرجع خلایق ہوجانا زیادہ قرین قیاس تھا مگر یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ مولانا کا واقعی اور حقیقی جانشین اور مولانا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز علیہما الرحمۃ کے مسند درس کا مالک باوجود بے انتہاء مخالفت اور مزاحمت کے مولوی سید نذیر حسین کے سوا اور کوئی نہ ہوسکا یہاں تک کہ میاں صاحب کا لقب جو مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے واسطے مخصوص تھا اور

بسلسلہ جانشینی منتقل ہوتا ہوا مولانا شاہ محمد اسحاق تک پہنچا تھا وہ مولانا کے بعد مولوی نذیر حسین کے ساتھ اس طرح چسپاں ہوا کہ اب میاں صاحب اور مولوی نذیر حسین گویا دو مترادف لفظ ہو گئے (۱)۔''

مگر افسوس شیخ الکل سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت میں قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی بہت آگے نکل چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے میاں صاحب کی مخالفت میں ایک کتاب ''کشف الحجاب'' لکھی، موصوف لکھتے ہیں کہ:

''اسی طرح سید نذیر حسین صاحب اور حفیظ اللہ خاں صاحب کبھی کبھی مسئلہ پوچھنے گویا کوئی لفظ جلالین کا پوچھنے کو جاتے تھے خدمت میں جناب مولانا اسحاق صاحب قدس سرہٗ کی اور بوقت ہجرت میاں صاحب کے ایک ایک حدیث پانچ چھ کتابوں کی میاں صاحب کو سنا کر ایک پرچہ بطور سند کے لے لیا اور حفیظ اللہ خاں صاحب کو تو یہ بھی نصیب نہ ہوا (۲)۔''

قاری صاحب کے اس بیان کو مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی نے خوب خوب اچھالا اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔

جس وقت ''کشف الحجاب'' شائع ہوئی۔ اسی وقت مولانا محمد سعید محدث بناری نے **"ھدایة المرتاب بر دمافی کشف الحجاب"** لکھ کر حاسدین کے ارادوں کو ناکام کیا۔ لکھتے ہیں:

''اسی طرح سے یہ (قاری عبدالرحمٰن) حضرت مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم کے بھی فن حدیث میں شاگرد نہیں ہیں۔ اگر سند صحیح رکھتے ہوں تو پیش کریں (۳)۔''

---

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ: ۷۶، ۷۸، طبع دوم ۱۹۵۹ء۔

(۲) کشف الحجاب: ۱۳۔

(۳) ہدایۃ المرتاب بر دمافی کشف الحجاب: ۵۔ حیاب الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی: ۱۰۔

مولانا بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں قاری صاحب خاموش ہو گئے۔ (اس سے پتا چلا کہ قاری صاحب خود شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد نہیں تھے) لیکن یہ معاملہ یہاں پر ہی ختم نہ ہوا، بلکہ کافی طویل ہوا یہاں تک کہ یہ معاملہ کمشنر دہلی کی عدالت میں پیش ہوا۔ قاری صاحب نے کمشنر دہلی کو کیا جواب دیا، ملاحظہ ہو:

''چنانچہ دہلی میں جب جناب کمشنر صاحب بہادر نے انہیں بوجہ لکھنے اس رسالہ کے مواخذہ کیا تو وہاں صاف انکار کر گئے کہ یہ رسالہ میں نے نہیں لکھا بلکہ کسی دوسرے آدمی نے لکھ کر میرے نام سے طبع کرا دیا ہے[1]۔''

قاری صاحب عالم دین ہیں، اس لئے ان کی بات مان لینی چاہئے۔ شیخ محمد تھانوی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی (حنفی مکتبہ فکر کے مشہور) عالم دین ہیں۔ میاں نذیر حسین صاحب کی زندگی ہی میں شیخ محمد تھانوی نے ایک خط ۱۲۹۶ ہجری میں مولوی محمد حسین صاحب کو لکھا جس میں موجود ہے کہ شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی، شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح مولانا احمد علی حنفی سہارن پوری محشی صحیح بخاری نے بھی مولانا حفیظ اللہ خاں صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اقرار کیا کہ سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ، شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں[2]۔''

اس لئے یہ ثابت ہو چلا کہ امام العصر شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث بہاری رحمۃ اللہ علیہ، الصدر الحمید شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور سند بھی رکھتے تھے۔ یہ

---

(۱) ہدایۃ المرتاب بردمانی کشف الحجاب: ۶۔ حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی: ۱۰۔ ۱۱۔

(۲) حقیقت تو یہ ہے کہ مولانا احمد علی سہارنپوری کو شاہ محمد اسحٰق سے تحصیل علم حدیث کا مشورہ ہی میاں نذیر حسین دہلوی نے دیا تھا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ میاں صاحب خود تو شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد نہ ہوں اور دوسروں کو ان کا شاگرد بننے کا مشورہ دیں۔ میاں صاحب کے اپنے الفاظ ہیں کہ ''یہ بات کیا قرین عقل ہے؟ میں تم کو مشورہ دیکر شاگرد بنواؤں اور خود ان سے نہ پڑھوں۔'' (الحیاۃ بعد المماۃ: ۷۰، طبع دوم) اس کے بعد میاں صاحب نے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کی دی ہوئی سند انہیں دکھائی، جس کی مولانا احمد علی صاحب نے تصدیق بھی کی۔ (محمد تنزیل)۔

بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ مسند ولّٰہی پر میاں صاحب نے دو چار نہیں، دس یا بیس نہیں بلکہ کامل ساٹھ برس درس حدیث دیا ہے۔ جن کے تلامذہ میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ چین، تبت، ماوراءالنہر اور مغرب تک کے طالبان علم حدیث موجود تھے۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں کہ اس وقت دنیائے اسلام میں سب سے بڑی درس گاہ آپ کی تھی۔ شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سند حسب ذیل ہے۔

"بسم اللّٰه الرحمن الرحيم"

"الحمد لله رب العالمين والصلوة و السلام على سيد المرسلين محمد وآله واصحابه اجمعين، امابعد فيقول العبد الضعيف محمد اسحق ان السيد النجيب المولوى محمد نذير حسين قد قرأ على اطرافاً من الصحاح الستة البخارى ومسلم وابى داؤد والجامع الترمذى والنسائى وابن ماجه وشيأً من كنز العمال والجامع الصغير وغيرها وسمع منى الاحاديث الكثيرة فعليه ان يشغل بقراءة هذه الكتب وبتدريس بهالانه اهلهلا بالشروط المعتبرة عند اهل الحديث وانى حصلت القراءة والسماعة والاجازة لهذا الكتب من الشيخ الاجل الشيخ عبدالعزيز المحدث الدهلوى وهو حصل القراءة والإجازة عن الشيخ ولى الله المحدث الدهلوى رحمة الله عليهما وباقى سندة، مكتوب عنده حرره فى ثانى شهر شوال ١٢٥٨ الهجريته الحمد لله اولاً و آخراً[1]."

محمد
۱۲۵۲
اسحاق

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ: ۶۱-۶۲، طبع دوم، تراجم علماء حدیث ہند: ۱/۱۳۲۔

﴿۱۱﴾ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے ہجرت کے وقت دہلی میں مولوی مملوک علی کی صدارت میں ایک بورڈ بنا دیا تھا

مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا محمد اسحاق مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب دہلوی کو اپنے ساتھ لے گئے اور دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا عبدالغنی دہلوی کو ملا کر ایک بورڈ بنا دیا جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کر کے نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کرے۔ یہی جماعت ہے جو آگے چل کر دیوبندی نظام چلاتی ہے۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۹۸ طبع المحمود اکیڈمی)۔

جواب:

دہلی میں بنایا گیا یہ سیاسی بورڈ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے تو نہیں بنایا، البتہ یہ مولانا عبیداللہ سندھی کے ذہن کی اختراع ضرور ہے۔ آیئے اس بورڈ کے اراکین کا جائزہ لیں:

مولوی مملوک علی صاحب (جو اس خیالی بورڈ کے سربراہ بھی تھے) ایک غیر سیاسی آدمی تھے، انہوں نے اسی میں خیر سمجھی کہ خاموشی سے انگریزوں کی ملازمت کر لی جائے، چنانچہ یکم جون

۱۸۶۵ء میں نائب مدرس کی حیثیت سے دہلی کالج میں ۵۰ پچاس روپے پر ان کا تقرر رہا[1]۔ اس وقت مولانا رشید الدین خاں صاحب ۱۰۰ روپے ماہوار پر صدر مدرس تھے نواب صدیق حسن خاں صاحب مولوی مملوک علی سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''وہ دہلی کے اعیان میں سے تھے۔ اور علوم درسیہ میں مولوی رشید الدین خاں کے شاگرد تھے۔ مدرسہ دہلی میں انگریزوں کی طرف سے درجہ اول کو پڑھانے کے لئے مقرر تھے[2]۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ ایسے شخص کو اپنے کالج میں کیسے ملازم رکھتی جو ''نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کرے۔'' جب کہ گورنمنٹ کا مقصد مسلمانوں میں مغربی علوم رائج کرانا تھا مولوی مملوک علی انگریزوں میں کتنے مقبول تھے کہ اس کا اندازہ آپ کو محمد ایوب قادری کی درج ذیل تحریر پڑھ کر ہوگا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''دہلی کالج کے تمام انگریز پرنسپلوں کے وہ معتمد رہے۔ کالج کی رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ انگریز پرنسپل، مولانا مملوک العلی پر بہت اعتماد کرتے تھے اور ہر سالانہ رپورٹ میں ان کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے ایک موقعہ پر گورنر جنرل نے مولانا مملوک العلی کو انعام سے بھی نوازا۔ صورت یہ ہوئی کہ ۱۵ و ۱۷ نومبر ۱۸۴۵ء کو گورنر جنرل بہادر نے دہلی میں دربار کیا ۱۷ نومبر کے دربار میں ۲۷ حضرات کو انعام واکرام سے نوازا مولانا مملوک العلی مدرس اول کو خلعت سہ پارچہ مرحمت ہوا[3]۔''

(۱) موصوف جس مدرسے میں انگریزوں کی طرف سے مدرس مقرر ہوئے۔ اس سے متعلق مولانا محمد میاں دیوبندی لکھتے ہیں ''حضرت مولانا مملوک العلی صاحب...... اس مدرسہ کے مدرس تھے جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی جانب سے علوم عربیہ دینیہ کی تعلیم کے لئے اس واسطے قائم کیا گیا تھا کہ نیم غلام مسلمانوں کے سامنے علم دوستی اور مذہب پروری کا مظاہرہ کرکے ان کو پورا غلام بنالیا جائے۔'' (علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ۶۸، ۶۹، طبع رحیم یار خان) (محمد تنزیل)۔

(۲) تاریخ قنوج (قلمی): ۱۰۰، اصل عبارت فارسی میں ہے یہاں صرف ترجمہ کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(۳) مولانا محمد احسن نانوتوی: ۶۷ا۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت انگریزی حکومت کا مقصد یہ تھا کہ مغربی علوم وتعلیم ہندوستان کے مسلمانوں میں اور خاص طور سے دہلی کے مسلمانوں میں رائج ومقبول ہو اس مقصد میں گورنمنٹ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی [۱]۔''

اس بورڈ کے دوسرے رکن مولوی قطب الدین دہلوی ہیں جنہوں نے ۱۸۷۰ء میں انگریزی حکومت کی حمایت کرتے ہوئے ہندوستان کو دارالسلام ہونے کا فتویٰ دیا [۲]۔

اس بورڈ کے تیسرے اور چوتھے رکن مولوی مظفر حسین کاندھلوی اور مولانا شیخ عبدالغنی دہلوی ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم اور نہ ہی تاریخ کے صفحات ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ ان حضرات نے تحریک جہاد سے متعلق کوئی کام کیا ہے۔ کاش کہ مولانا سندھی ان کے کاموں کی نوعیت سے بھی آگاہ فرمادیتے۔

بورڈ کے یہ اراکین جنہوں نے آگے چل کر دیوبندی نظام کی سرپرستی کی۔ ان سے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ ''(مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے۔ جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی [۳]۔''

علماء دیوبند کے کردار سے متعلق مولانا غلام دستگیر افغانی فرماتے ہیں کہ ''برصغیر کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور دارالعلوم دیوبند کو حکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی [۴]۔''

---

(۱) مولانا محمد احسن نانوتوی: ۱۷۶۔

(۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان: ۳۱۷، ۳۱۸، طبع فیصل آباد۔

(۳) سوانح قاسمی (حاشیہ): ۲/۲۴۷، حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی: ۹۴۔

(۴) روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴/جنوری ۱۹۸۳ء: ۲، حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی: ۹۴۔

غیر جانبدارانہ تاریخی مطالعے سے یہ بات واضح ہوگی کہ دارالعلوم دیوبند قائم ہی انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہوا تھا۔ آگے چل کر اس مدرسے نے واقعی بے شمار کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر ان کی کامیابیاں کیا تھیں۔ انگریزوں سے انعامات وصول کرنا۔

مولانا سندھی کا یہ بورڈ خیالی اور قطعاً خیالی تھا، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے فقہ حنفی کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر فقہ حنفی کی تدوین کے لئے ایک بورڈ بنایا تھا۔ اسی طرح مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے علماء دیوبند کی جھوٹی آن بان کے لئے دیوبندی علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنایا۔

تعجب اور سخت تعجب کی بات ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی جیسے ذی علم اور باشعور شخص ایسی بے سروپا باتوں کو تاریخ کا حصہ بنا رہے ہیں۔

﴿۱۲﴾ فتویٰ جہاد ۱۸۵۷ء مولوی فضل خیر آبادی نے پیش کیا تھا

مولانا حسین احمد مدنی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مولانا فضل حق خیر آبادی جنہوں نے دہلی میں بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی تھی اور استفتاء پیش کیا تھا۔'' (نقش حیات: ۴۵/۲۔۴۶)۔

تقریباً اسی طرح کی باتیں مولوی عبدالقیوم ندوی (ہمارے اسلاف: ۲۹۰) اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (مقدمہ ''اسباب بغاوت ہند'': ۵۹) وغیرہ نے بھی لکھی ہیں [۱]۔

---

(۱) عبدالشاہد خاں شروانی لکھتے ہیں کہ ''علامہ (فضل حق خیر آبادی) سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔ مشورے کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدرالدین خاں ازردہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی۔'' (باغی ہندوستان: ۱۴۱، فقہائے پاک و ہند تیرہویں صدی ہجری: ۱۶/۱) عبدالشاہد خاں شروانی کو خود بھی اعتراف ہے کہ مولوی فضل حق اگست ۱۸۵۷ء میں الور سے دہلی پہنچے تھے (باغی ہندوستان: ۱۴۰) جب کہ یہ فتویٰ جہاد دہلی میں ماہ اگست تک خاصا مشتہر ہو چکا تھا۔ جن حضرات کے نام انہوں نے دستخط کرنے والوں میں شمار کئے ہیں ان میں سے اکثر کے دستخط بھی فتویٰ جہاد پر موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ موصوف کی اس روایت کے موضوع ہونے پر کیسے کلام ہوسکتا ہے۔ محمد ایوب قادری فرماتے ہیں کہ ''مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے یہ حکایت معلوم نہیں کہاں سے وضع کی ہے۔ جہاد کے فتوے پر مولانا فضل حق خیر آبادی، قاضی فیض اللہ، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اور سید مبارک شاہ رام پوری میں سے کسی کے بھی دستخط نہیں

جواب:

فتویٰ جہاد ۲۶، جولائی ۱۸۵۷ء کو ''صادق'' اخبار دہلی میں شائع ہوا تھا۔ جس پر ۳۴ علماء کے دستخط ہیں۔ مگر مولانا فضل حق خیر آبادی کے دستخط نہیں ہیں۔ اس تاریخ کو مولانا خیر آبادی الور میں راجہ کے ملازم تھے وہ اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے تھے۔

سرکاری ریکارڈ کے مطابق ان کی پہلی حاضری بہادر شاہ ظفر کے دربار میں ۱۶/اگست ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی۔ محترم جناب ڈاکٹر اظہر عباس صاحب نے ایک کتاب (جو کہ ہندی زبان میں لکھی گئی ہے، جسے اتر پردیش کی حکومت نے ۱۸۵۷ء کی یادگار کے طور پر شائع کیا) لکھی ہے، جس کے آخر میں ''صادق'' اخبار مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کا عکس بھی موجود ہے جس کے ایک صفحے پر فتوی جہاد کا پورا متن موجود ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

(مولانا حسین احمد مدنی کے نقش قدم پر مولوی عبدالقیوم ندوی اور ڈاکٹر ابواللیث صیدیقی بھی چلے، انہوں نے بھی فتویٰ جہاد پیش کرنے کا کریڈٹ مولوی فضل حق خیر آبادی کو ہی دیا جو کہ سراسر بددیانتی اور تاریخ سے انحراف ہے۔ یہ تو ''صادق'' اخبار کی ''صداقت'' کی وجہ سے معاملہ باآسانی حل ہوگیا۔ ورنہ یہ حضرات نجانے کیا کیا تاریخ سازی کرتے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر فتویٰ جہاد مولوی خیر آبادی نے پیش کیا تھا، تو اس پر ان کے دستخط بھی ہونے چاہئے تھے، مگر اس پر موصوف کے دستخط ہی موجود نہیں)۔

مولانا حسین مدنی کے بیان سے معلوم ہوا کہ ''نقش حیات'' ایک روایتی کتاب تو ہے، مگر تحقیقی کتاب نہیں۔

= ہیں۔ مولوی فضل حق خیر آبادی تو وسط ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے تھے اس وقت یہ فتویٰ مشتہر ہو چکا تھا۔ لہٰذا ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' (جنگ آزادی: ۱۸۵۷ء: ۴۰۴) اس سے یہ بخوبی اندازہ ہوگیا کہ مولوی فضل حق خیر آبادی نے فتویٰ جہاد پر دستخط نہیں کئے اور ہمارے دور کے وہ مورخین جو اس واقعے بلکہ افسانے کو بلاتحقیق درج تاریخ کرتے ہیں ان کی تاریخ دانی اور تحقیق وتدقیق کا بھی علم ہوگیا۔ (محمد تنزیل)۔

﴿۱۳﴾ مولوی فضل حق خیرآبادی فتویٰ جہاد مرتب کرنے کے جرم میں گرفتار ہوئے تھے

عبیداللہ فہد فلاحی کی سنیئے، لکھتے ہیں کہ:

''مولانا فضل حق خیرآبادی نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ مرتب کرایا جس پر علمائے دہلی سے دستخط لئے گئے اور یہی فتویٰ مولانا کی گرفتاری کا سبب بنا اور آپ کے لئے حبس دوام کا حکم صادر ہوا اور ان کی کتابیں، جائداد، مال و متاع، اہل و عیال کے رہنے کا مکان غرض ہر شے ضبطی میں آ گئے۔'' (تاریخ دعوت و جہاد برصغیر کے تناظر میں: ۱۶۸، طبع اول)۔

جناب عبیداللہ فہد فلاحی سے پہلے متعدد حضرات ایسی ہی باتیں لکھ چکے ہیں، انہی میں سے ایک مولوی عبدالقیوم صاحب ندوی بھی ہیں جنانچہ ان کی ''انشاء پردازی کا نمونہ'' ملاحظہ ہو۔

''۱۸۶۹ء[۱] میں علامہ موصوف کو جہاد کا فتوی شائع کرنے کے جرم میں باغی قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا، لکھنؤ میں مقدمہ چلایا گیا۔ جج نے متعدد بار چاہا کے علامہ اپنے فتوے کے خلاف بیان دیں، مگر شان فاروقیت کے قربان جائیے کہ فاروقی کچھار کے شیر نے جج کے سامنے گرج کر کہا کہ وہ فتوی صحیح ہے اور میرا ہی مرتب کیا ہوا ہے اب بھی میری وہی رائے ہے جو اس سے قبل تھی، دنیا کی کوئی طاقت، دار

(۱) ۱۸۶۹ء نہیں بلکہ نومبر ۱۸۵۸ء۔ ملاحظہ ہو خورشید مصطفیٰ رضوی کی ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء'': ۳۸۵۔

ورسن کا خوف مجھے حق بات کہنے سے نہیں روک سکتی۔ علامہ فضل حق کے اس اقرار واعتراف کے بعد کوئی گنجائش باقی نہ تھی، عدالت نے جزیرہ انڈمان میں تادم حیات رہنے کا فیصلہ سنادیا۔ جسے اسلام کی آزادی کے شیر نے نہایت صبر اور خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اس کے بعد علامہ موصوف کو کالا پانی بھیج دیا گیا۔'' (ہمارے اسلاف: ۲۹۱، طبع اول کراچی)۔

جواب: ☆

عبیداللہ فہد فلاحی خود بھی منشی جیون لال کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''۱۶؍اگست ۱۸۵۷ء مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے انہوں نے اشرفی نذر میں پیش کی اور صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی (۱)۔''

جب کہ فتوی جہاد ماہ اگست تک مشتہر بھی ہو چکا تھا۔ محمد ایوب صاحب قادری رقم طراز ہیں:

''مولوی فضل حق خیرآبادی تو وسط اگست میں دہلی پہنچے تھے اس وقت یہ فتویٰ مشتہر ہو چکا تھا۔ لہذا ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۲)۔''

سخت حیرت وتعجب ہوتا ہے کہ بعض اہل قلم اس فرضی واقعے کی بناء پر یہ تک لکھ گئے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے عدالت میں پوچھنے پر ببانگ دہل یہ کہا تھا کہ:

''میں نے ہی جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور آج بھی میری وہی رائے ہے (۳)۔''

محترم مولانا امتیاز علی صاحب عرشی (ناظم کتب خانہ رام پور) نے ان واقعات کو بدلائل غلط

☆ ازقلم محمد تنزیل۔

(۱) تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں: ۱۶۹۔

(۲) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: ۴۰۴۔

(۳) غدر کے چند علماء: ۴۳، تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں: ۱۶۹، ہمارے اسلاف: ۲۹۱، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از خورشید مصطفیٰ رضوی: ۳۸۶۔

ثابت کیا ہے[۱]۔"

حقیقت اس امر کی یہ ہے کہ مولوی فضل حق خیر آبادی تحریک المجاہدین سے منسلک ایک مجاہد میر فضل حق ساکن شاہجہانپور کے اشتباہ میں گرفتار کیے گئے تھے جس کی تصدیق اس خط سے بھی ہوتی ہے جو مولوی فضل حق خیر آبادی نے نواب رام پور کو لکھا تھا[۲]۔

مولوی فضل حق خیر آبادی کی رہائی کے لئے ان کے صاحبزادوں (مولوی شمس الحق و مولوی عبدالحق) نے خوب کوششیں کیں۔ لندن میں جا کر اپنے والد کا کیس لڑا اور یہ ثابت کیا کہ میرے والد اور میرا پورا خاندان انگریزی حکومت کا بہی خواہ اور خدمت گذار و وفادار ہے۔ انگریز جج صاحبان نے اپنے اس "وفادار" و "خدمت گذار" کی بے گناہی کے واضح دلائل دیکھتے ہوئے رہائی کا فیصلہ صادر کیا[۳]۔ مولوی عبدالحق خیر آبادی اور مولوی شمس الحق خیر آبادی اس "فیصلہ خفت و ضلالت" کو لئے بذریعہ کلکتہ، کالا پانی روانہ ہوئے، ابھی کالا پانی میں قدم ہی رکھا تھا کہ سامنے سے اپنے والد کے جنازے کو گذرتے دیکھا ع

حسرت ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے

(۱) ملاحظہ ہو مولانا امتیاز علی عرشی کا مقالہ "فضل حق خیر آبادی اور فتویٰ جہاد" جو کہ ماہنامہ "تحریک" (دہلی) کی اگست ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ خورشید مصطفیٰ رضوی نے بھی مولانا فضل حق خیر آبادی کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ہیرو بنا کر پیش کیا اور متعدد جگہوں پر ان کا ذکر خیر کیا ہے۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: ۳۸۳۔۳۸۵۔ ۳۸۶، ۴۱۱ و متفرق صفحات) لطف کی بات تو یہ ہے کہ موصوف خود بھی حاشیہ میں مولانا امتیاز علی عرشی کے مقالے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ سب واقعات غلط ہیں — سوال یہ ہے کہ پھر انہوں نے متن کتاب میں ایسی غلطیاں درج ہی کیوں کیں۔

(۲) ماہنامہ "تحریک" (دہلی) اگست ۱۹۵۷ء۔

(۳) مولوی عبدالقیوم ندوی کو بھی یہ اعتراف ہے کہ مولوی فضل حق کے صاحبزادوں کی کوششوں سے مولوی فضل حق خیر آبادی کو رہائی کا پروانہ مل گیا تھا (ہمارے اسلاف: ۲۹۲) حیرت اور سخت حیرت ہے کہ انگریزی حکومت نے اپنے اتنے سخت اور کٹر مخالف دشمن کو اس قدر جلد کیسے رہائی کا پروانہ دے دیا۔

﴿۱۴﴾ سید نذیر حسین محدث دہلوی نے مجبوراً فتویٰ جہاد پر دستخط کیئے اور وہ سرکار انگریزی کے وفادار تھے

محمد ایوب صاحب قادری مرحوم رقم طراز ہیں کہ:

''دستخط کرنے کے باوجود سرکار انگریزی کے وفادار رہے۔ انہوں نے انگریزوں کو چھپایا، جاسوسی کے فرائض انجام دیئے اور تحریک آزادی کی مخالفت کی۔ ان میں یہ حضرات ہیں (۱) شیخ الکل سید نذیر حسین......'' (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: ۴۰۹)۔

جواب: ☆

غور کیجئے، صرف ایک مظلوم، زخمی عورت مسز لیسنس کو بچانے کے جرم میں کیسے کیسے افسانے گڑھے گئے کہ انگریزوں کو چھپایا، جاسوسی کی گئی تحریک آزادی کی مخالفت کی گئی۔ اتنی سی بات کو افسانہ بنایا گیا۔ یہ ضرور تھا کہ جو لوگ انگریزوں کے تنخواہ دار، وفادار اور مفاد پرست تھے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ محمد ایوب قادری نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شیخ الکل سید نذیر حسینؒ۔ نے ڈر و خوف کی وجہ سے فتویٰ جہاد پر دستخط کیے تھے۔ افتخار عالم مارہروی فرماتے ہیں کہ:

''آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ دوران بغاوت جنرل بخت خاں نے ان مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرالیں [۱]۔''

☆ ازقلم محمد تنزیل۔

(۱) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: ۴۰۹۔

افتخار عالم صاحب مارہروی نے لفظ ''مولویوں'' کا استعمال کیا ہے۔ ان کا اشارہ شیخ الکل کی جانب نہیں جب کہ محمد ایوب قادری اس بات کو حضرت شیخ الکل کی طرف منسوب کر گئے۔ جہاں تک زبردستی فتاویٰ جہاد پر دستخط کرنے کا تعلق ہے تو فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے والوں میں احناف کے بھی مقتدر علماء شامل تھے مگر نجانے محمد ایوب قادری کو حضرت شیخ الکل سے کیسا قلبی بغض وعناد تھا۔ جو انہوں نے یہ الزام شیخ الکل اور چند دوسرے علماء اہل حدیث پر لگایا۔ شیخ الکل سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے عہد کے با اثر شخصیت تھے، ان پر کسی طرح کا دباؤ ہرگز نہیں ڈالا جا سکتا تھا کہ وہ مجبور ہو کر فتوی جہاد پر دستخط کر دیتے۔ مولانا محمد میاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

''دستخط کے وقت نہ مرعوبیت تھی نہ جبر وقہر بلکہ سوچ سمجھ کر بحث وتمحیص کے بعد دستخط کئے گئے [1]۔''

شیخ الکل سید نذیر حسین پر حکومت برطانیہ کی وفاداری کا الزام کسی طور پر بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قادری صاحب یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اگر شیخ الکل انگریزوں کے وفادار تھے تو کیا وجہ تھی کہ ۱۸۶۵ء کے مقدمے میں آپ بھی گرفتار ہوئے اور راولپنڈی جیل میں نظر بند کئے گئے۔ کیا وفاداروں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے؟

تحریک جہاد کی مخالفت تو درکنار آپ تو تحریک جہاد کے حمایتیوں میں سے تھے امیر المجاہدین مولانا ولایت علی صادق پوری کے ساتھیوں میں سے تھے چنانچہ مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا ولایت علی کی تحریک کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ مولانا اسماعیل شہید کی اس خاص جماعت کو جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اسی لئے مولانا نذیر حسین اور نواب صدیق حسن جیسے عالم بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں [2]۔''

---

(۱) علماء ہند کا شاندار ماضی: ۱۹۷/۴۔

(۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۰۴۔

آج احناف مکمل طور پر اس بات پر زور لگا رہے ہیں کہ کسی طرح اہل حدیثوں کو حکومت برطانیہ کا وفادار ثابت کیا جائے۔ ایسا کہنے والے وہ ہیں کہ جن کے اکابرین ومقتدر حضرات نے کبھی انگریزوں کی مخالفت نہیں کی، وہ ہمیشہ انگریزوں کے دست راست بنے رہے۔ آج قادری صاحب ہم میں موجود نہیں لیکن کیا وہ اپنے اکابرین میں سے کسی ایک عالم کا نام بتا سکتے تھے، جسے میدان جہاد میں فرنگی سامراج سے لڑتے ہوئے شہادت نصیب ہوئی ہو۔ کیا وہ کسی ایک عالم کا نام بتا سکتے تھے، جسے تختہ دار پر چڑھا دیا گیا ہو۔ کیا وہ کسی ایک عالم کا نام بتا سکتے تھے جسے جذبہ حریت کی سزا میں کالا پانی بھیج دیا گیا ہو ـــــ ان سوالوں کا جواب نہ قادری صاحب کے پاس تھا اور نہ ہی ان کے ہمشرب حضرات کے پاس ہے۔

یہ ہمیں تھے جن کے لباس پر سر روسیاہی لکھی گئی
یہی داغ تھے جو سجا کے ہم سر بزم یار چلے گئے

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور ان کے قدم جمائے۔ ملاحظہ ہو: ''فتاوی نصرت الابرار'' جس میں انگریزوں سے جہاد کو حرام کہا گیا اور اس فتاویٰ پر دیوبندی وبریلوی دونوں ہی مکتبہ فکر کے علماء کی مہریں ثبت تھیں جن میں ''امام ربانی'' رشید احمد گنگوہی، ''شیخ الہند'' محمود الحسن دیوبندی، ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا بریلوی وغیرہ جیسے مشاہیر اکابرین احناف شامل تھے۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

یہ طعنہ کہ شیخ الکل سید نذیر حسین نے جاسوسی کے فرائض انجام دیئے کاش کہ قادری صاحب اس کی کوئی مثال بھی دے دیتے۔ تا کہ ہم بھی آگاہ ہو سکتے کہ انہوں نے کونسی جاسوسی کی اور ان کے ذمہ کون سا کام تھا۔ اخلاقاً وشرعاً انہیں ایسے الزام نہیں لگانے چاہئے تھے کہ جس کی دلیل ان کے پاس نہ ہو۔

﴿۱۵﴾ سید نذیر حسین محدث دہلوی نے باوجود فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے کے، جہاد میں حصہ نہیں لیا اور گھر میں چھپے بیٹھے رہے

محترم جناب منشی ذکاء اللہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ:

''جن مولویوں نے فتویٰ پر مہریں کی تھیں وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے، مولانا نظیر (نذیر) حسین جو وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے ان کے گھر میں ایک میم چھپی بیٹھی تھی۔'' (تاریخ عروج عہد انگلشیہ :۶۷۵ ،علماء ہند کا شاندار ماضی: ۱۹۲/۴)۔

جواب:

کاش مولانا یہ طعنہ دینے سے پہلے اپنے ہمشرب حضرات کی طرف بھی دیکھ لیتے۔ حضرات احناف نے فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے والوں میں صرف علماء اہل حدیث ہی کو ہدف تنقید ٹھہرایا ہے جب کہ وہ یہ بھول گئے کہ فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے والوں میں ان کے بھی ''مقتدر'' و ''پیشوا'' شامل تھے جن میں شاہ احمد سعید مجددی، شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی، مفتی صدرالدین آزردہ، مولوی عبدالقادر لدھیانوی، مولوی سیف الرحمٰن لدھیانوی وغیرہ شامل ہیں۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے ان سبھوں کو ''آزادی کا ہیرو'' بنا کر پیش کیا۔ اس کے برعکس شیخ الکل سید نذیر حسین کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ جن لوگوں کو ''مجاہد اعظم'' اور ''مجدد وقت'' بنایا

گیا۔ ان میں سے ایک ذات شاہ احمد سعید کی بھی ہے۔ آیئے ان کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں:

شاہ احمد سعید ایک خانقاہی بزرگ تھے۔ انہیں سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ چنانچہ مولانا حکیم سید عبدالحیؒ حسنی ندوی لکھتے ہیں کہ:

''جب دہلی اور مختلف علاقوں میں عظیم فتنہ ۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ میں بپا ہو گیا۔ لوگوں کے خون بہائے گئے، مال لوٹے گئے اور شہروں کو برباد کیا گیا۔ خاص طور پر دہلی میں وہ (شاہ احمد سعید) اپنی خانقاہ میں قیام کئے ہوئے تھے یہاں تک چار ماہ گذر گئے اور حکومت انگریزی نے دوبارہ غلبہ حاصل کر لیا اور فتنہ وفساد پر قابو پالیا۔ آپ (شاہ احمد سعید) پر فتویٰ جہاد دینے کا اتہام لگایا گیا۔ انگریزوں نے ارادہ کیا کہ ان کے اہل کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن آپ کی سفارش اس افغان سردار نے کی جس کی مدد سے انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اس کی سفارش کی وجہ سے انگریز نے مواخذہ نہیں کیا[1]۔''

نجانے شاہ احمد سعید صاحب چار ماہ روپوش رہ کر ایسا کون سا کارنامہ انجام دیتے رہے جس کی بدولت انہیں تاریخ کا ہیرو کہا جائے۔ اس ہنگامی دور میں شاہ احمد سعید تو کیا بہت سے لوگ گھروں میں محصور تھے۔ یہ طعنہ صرف شیخ الکل پر ہی کیوں ایسے بہت سے نام گنوائے جا سکتے ہیں اور ایسے نام بھی جنہوں نے انگریزی ہند کو ''دارالامان'' ہونے کا فتویٰ دیا۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر: ۷/۴۱، ۴۲، اصل عبارت عربی میں تھی، ترجمہ پروفیسر محمد مبارک کا کیا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین دہلوی: ۲۱، ۲۲۔

﴿۱۶﴾ سید نذیر حسین محدث دہلوی کو ایک میم کی جان بچانے پر ایک ہزار تین سو روپے بطور انعام ملا

محترم محمد ایوب صاحب قادری مرحوم تمام عمر اس فکر میں گھلتے رہے کہ کسی طرح سید نذیر حسین محدث دہلویؒ پر انگریزوں کی وفاداری ثابت کی جائے، کبھی انہیں انگریزوں سے انعام دلوایا جائے اور کبھی وفاداری کے اسناد۔ چنانچہ ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء'' میں مسز لیسنس کی زندگی بچانے کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا۔'' (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: ۴۱۰)۔

اسی طرح ''تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

''شیخ الکل میاں نذیر حسین کے صاحبزادے شریف حسین وغیرہ نے مسز لیسنس (Mrs leesons) کو ۱۸۵۷ء میں ساڑھے تین ماہ اپنے گھر میں چھپائے رکھا اور پھر بحفاظت تمام برٹش کیمپ میں پہنچایا اور نقد انعام حاصل کیا۔'' (تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی: ۸۴، طبع ۱۹۶۲ء)۔

جواب: ☆

بقول محمد ایوب صاحب قادری یہ انعام سید نذیر حسین محدث بہاری دہلوی کو ایک انگریز

☆ از قلم محمد تنزیل۔

عورت مسز لیسنس کی زندگی بچانے کے صلہ میں ملا تھا۔۔۔ غور کیجئے کہ ایک نہتی عورت کی زندگی بچانا جب کہ اس کی زندگی شدید خطرے میں تھی، کیا غیر شرعی فعل تھا، کیا اسلام نے جنگ کے دوران عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو قتل کرنے کی عام اجازت دیدی ہے اسلام نے جنگ کے دوران عورت کا قتل اسی صورت میں جائز قرار دیا ہے جب وہ بھی قتال میں حصہ لے اور قتل وغارت گری کرے۔ محققین احناف جواب دیں کیا مسز لیسنس نے بھی قتال میں حصہ لیا تھا؟

شیخ الکل سید نذیر حسین، مولانا عبدالقادر، مولانا شریف حسینؒ وغیرہ نے باغیوں سے تمام خطرات مول لے کر اس کار خیر کو سرانجام دیا، باغیوں نے کس طرح کشت وخون کیا اس پر کافی لکھا جاچکا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس طرح سید نذیر حسینؒ اور ان کے ساتھیوں نے ایک اسلامی روایت برقرار رکھی، انہیں خراج عقیدت پیش کرنا چاہئے۔ ان حضرات نے جو کچھ کیا عین مطابق اسلام کیا۔ طعنہ دینے والوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس طرح وار بالواسطہ اسلام پر پڑ رہا ہے۔

مولانا حافظ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں کہ:

"زمانہ غدر میں مسز لیسنس زخمی کو جس وقت میاں صاحب نے نیم جان دیکھا تو بہت روئے اور اپنے مکان میں اٹھا لائے۔ اپنی اہلیہ اور عورتوں کو ان کی خدمت کے لئے نہایت تاکید کی اس وقت دیوار درمیان باغیوں کی فوج قبضہ کئے ہوئے تھے اگر ذری خبر بھی لگ جاتی تو آپ کی بلکہ سارے خاندان کی جان بھی جاتی اور خانماں بربادی میں بھی کچھ دیر نہ لگتی۔ اس وقت آپ نے محض بے غرضانہ حسبۃ اللہ اس کی خدمت کی۔ علاج کیا، اور بعد میں قائم ہوجانے امن کے، بحالت تندرستی اس کو انگریزی کیمپ میں پہنچادیا جس کا نتیجہ خدا کی طرف سے یہ ہوا کہ آپ اور آپ کے متوسلین کو گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے امن وامان کی چٹھی ملی۔ چنانچہ انگریزوں کے تسلط کے بعد جب سارا شہر غارت کیا جانے لگا تو آپ کا محلہ صرف آپ کی بدولت محفوظ رہا[1]۔"

---

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ: ۲۷۵، طبع دوم۔

آپ کی اس نیکی کی بدولت نہ صرف آپ، آپ کا خاندان بلکہ پورا محلّہ محفوظ رہا انعامی رقم بڑے ہی اصرار کے بعد مسز لیسنس کے علاج معالجے میں صرف ہونے والی رقم کے طور پر لی، یہ سب انگریزوں کی وقتی عنایت تھی۔ سید نذیر حسین ایک ''بدنام وہابی'' تھے، انگریز اور اس کے وفادار اس بات سے بخوبی واقف تھے اور پھر حضرت شیخ الکل حضرات احناف کی نظروں میں تو برابر کھٹکتے ہی رہتے تھے۔ ایسے میں ان کی مخبری ہونے میں کیا دیر ہو سکتی تھی۔ چنانچہ راولپنڈی کے مقدمہ ۱۸۶۰ء میں آپ بھی دھر لئے گئے اور آپ کو راولپنڈی جیل میں نظر بند کیا گیا۔

اسی طرح مولانا عبدالقادر پر بھی ایک انگریز کے قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا ہوئی۔ لیکن اللہ کی مدد سے عین پھانسی کے وقت آپ اس سزا سے بچ گئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ راشد الخیری کی کتاب ''دلی کی آخری بہار'' — کیا وفاداروں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے؟

محمد ایوب قادری مرحوم نے انعامی رقم ہی غلط لکھی ہے۔ اس سلسلے میں تسلی بخش جواب پروفیسر محمد مبارک صاحب مرحوم اپنی کتاب ''حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی'' میں دے چکے ہیں۔ لہٰذا میں اپنی تحریر کا اختتام یہیں پر کرتا ہوں۔

﴿۱۷﴾ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اہل حدیث الگ تھلگ رہے اور انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا

عام طور پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ حضرات اہل حدیث جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بالکل الگ تھلگ رہے اور انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''یہی لوگ (مولانا ولایت علی اور ان کے ساتھی یعنی اہل حدیث) ہیں جنہوں نے شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل اور شاہ اسحاق کے حنفی طریقے کو چھوڑنے کی ضرورت محسوس کی اور ۱۸۵۷ء کے معرکہ دہلی میں بے تعلق رہے۔ ہم انہیں حزب صادق پوری کا نام دیتے ہیں۔'' (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (حاشیہ): ۱۰۵ طبع المحمود اکیڈمی)۔

جواب:

شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل اور شاہ اسحاق کو مولانا سندھی نے جو حنفیت کی سند دی ہے، اس کا بھی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں مگر، ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ الزام کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اہل حدیث الگ تھلگ رہے، تاریخ سے روگردانی ہے۔ (اگر تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس جنگ کے اصل محرک مولانا ولایت علی صادق پوری تھے، اس کے علاوہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے علم بردار خاص جنرل بخت خان بھی

اہل حدیث ہی تھے)۔

۱۸۵۷ء کی جنگ نہ صرف یہ کہ ایک جنگ تھی بلکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ بھی تھا۔ جہاد کے معنی قتال نہیں ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس کے کچھ ضابطے مقرر کردیئے ہیں اور جہاد سے متعلق اسلام کا اپنا ایک علیحدہ نظریہ ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ چونکہ ایک اجتہادی مسئلہ بن گیا تھا، اسی لئے تحریک دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک طبقے کا خیال تھا کہ جنگ آزادی میں شریک ہونا چاہئے جب کہ دوسرے طبقے کا خیال تھا کہ یہ خالص دینی شرائط کے مطابق نہیں ہے لہٰذا الگ رہنا چاہئے۔ مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ:

"اسی دوران ۵۷ء کا پرآشوب حادثہ پیش آیا اور گو مجاہدین اور ان کے معاونین ایک دینی نظام سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس قومی لڑائی میں غیر جانبدار رہے، پھر بھی پٹنہ کے کمشنر مسٹر ٹیلر (W. Taylor) نے مولانا احمد اللہ صادق پوری متہم مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء ف درانڈمان ۸ ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ وغیرہ کو بہت دق کیا[1]۔"

مزید حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"مجاہدین جماعتی حیثیت سے ۵۷ء کی قومی لڑائی سے الگ رہے۔ ۵۷ء کے ہنگامے کو ایک قومی جنگ سے زیادہ حیثیت نہیں دی جاسکتی اسی لئے سید صاحب کے ماننے والے ایک دینی نظام سے وابستہ ہونے کے بعد اس سے الگ رہے[2]۔"

علماء صادق پور چونکہ سیدین شہیدین تحریک کے دینی نظام سے وابستہ تھے اس لئے وہ بھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں غیر جانبدار رہے۔ مولانا عبدالرحیم صادق پوری اپنے والد گرامی مولانا فرحت حسین صادق پوری کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"۱۸۵۷ء کے غدر میں فرقہ اہل حدیث جو شریک باغیان سرکار نہ ہوا آپ ہی کی

(۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۶۵، ۶۷ طبع ثالث۔

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۶۶۔

بدولت۔ آپ نے نہایت شدومد کے ساتھ تاکید بلیغ فرمائی کہ کوئی مرید ہمارا باغیوں کا ساتھ نہ دے۔ یہ بغاوت سراسر خلاف شریعت ہے[۱]۔''

مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ:

''مولانا ولایت علی کی تحریک کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ مولانا اسماعیل شہید کی اس خاص جماعت (جماعت عمل بالحدیث) کو...... زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی لئے مولانا نذیرحسین اور نواب صدیق حسن جیسے عالم بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں[۲]۔''

جب کہ دوسرے طبقے کا خیال تھا کہ وقت کا تقاضہ ہے کہ اس جنگ میں شریک ہونا چاہئے اور غاصب انگریزوں کو نکال باہر کرنا چاہئے[۳]۔

اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہم خیالوں میں عظیم آباد پٹنہ کے مولانا پیر علی بھی تھے۔ ایک غریب انسان، ایک چھوٹی سی دوکان کے مالک، دل میں قومی درد رکھنے والے۔ آپ نے اپنی مختصر سی فوج بنائی اور انگریزوں سے لڑ پڑے۔ کرنل بیلی کا کہنا ہے کہ:

''(مولانا پیر علی) انگریزوں سے نفرت میں خاصی شہرت کا مالک تھا[۴]۔''

آپ جنگ میں زخمی ہوئے اسی حالت میں گرفتار ہوئے، پھانسی کا حکم ہوا پھانسی کا پھندا نظر کے سامنے ہے۔ تو ایک انگریز افسر نے کہا کہ اب بھی دوسرے باغیوں کا پتہ بتادو تو معاف

---

(۱) الدرالمنثور فی تراجم اهل الصادقفور: ۱۹۹۔

(۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۰۴۔

(۳) بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ ہندوستان میں جذبہ حریت سے بھرپور کوئی تحریک چلے اور وہابی مجاہدین سے یکسر خالی ہو۔ ڈاکٹر کے۔ ایم اشرف لکھتے ہیں (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از خورشید مصطفیٰ رضوی: ۱۰) کہ ''مسٹرسین اور ماجومدار جیسے چوٹی کے مورخین نے یہ بھی لکھا کہ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں وہابی علماء نے شرکت نہیں کی حالانکہ خود سرکاری بیانات سے اس کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے کہ مجاہدین ہر شہر میں پیش پیش تھے (محمد تنزیل)۔

(۴) آزادی کے مجاہد (حصہ دوم): ۴۹، طبع اول۔

www.KitaboSunnat.com

کردیئے جاؤ گے۔ آپ کا پرعزم جواب تھا:

''زندگی میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب کہ جان بچا لینے کی تمنا ہوتی ہے۔ ایسے بھی مواقع آتے ہیں جب کہ جان دے دینا ہی سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ اور آج کا دن اسی قربانی کا دن ہے[۱]۔''

پھر مسکراتے ہوئے تختہ دار پر چڑھ گئے۔ ع

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

الہ آباد کے مولانا لیاقت علی کے بارے میں محترم خلیق نظامی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا لیاقت علی الہ آبادی بھی اسی مکتب خیال کے مجاہد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے شائع کئے ہوئے دو اشتہارات کا مضمون ملاحظہ فرمائیے۔ ایک ایک حرف سید صاحب کے انداز فکر کی ترجمانی کرتا ہوا نظر آئے گا۔ ایک اشتہار میں ستائیس اشعار اس جہادیہ نظم میں سے نقل کئے گئے جو سید صاحب کے مجاہدین میدان جنگ میں پڑھا کرتے تھے[۲]۔''

انگریزوں کے خلاف انقلابیوں میں آپ بھی شریک تھے۔ ۱۶؍جون ۱۸۵۷ء کو انقلابیوں اور انگریزوں میں جنگ ہوئی، جس میں انگریزوں کو فتح ہوئی۔ (اس جنگ کے بعد بھی مولانا کو نجانے کتنے ہی مصائب و آلام کا شکار ہونا پڑا۔ کتنے ہی نشیب و فراز آپ کی زندگی میں حادثات لے کر آئے لیکن مولانا نے وہ تمام وقت نہایت صبر و شکر کے ساتھ گذرا)۔ الغرض آپ گرفتار ہو کر انڈمان (کالا پانی) بھیج دیئے گئے اور آپ نے وہیں انتقال فرمایا۔

مولانا محمد جعفر تھانیسری سے متعلق ولیم، ولسن، ہنٹر نے لکھا ہے کہ:

''۱۸۵۷ء میں جب غدر شروع ہوا تو جعفر اپنے دس معتبر مریدوں کے ساتھ مجاہدین

---

(۱) کتاب مذکور: ۵۳۔

(۲) ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ: ۱۶۔

کے کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جنگ کے غیر مانوس کام میں بھی اس کی اعلیٰ قابلیت نے اس کو نمایاں کر دیا[۱]۔''

اس سلسلے میں مولانا عنایت علی صادق پوری کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ:

''امیر مولانا عنایت علی صادق پوری بھی اس تحریک کے ساتھ تھے، بلکہ انگریزوں کا خیال ہے کہ مردان میں رجمنٹ نمبر ۵۵ کی بغاوت مولانا عنایت علی ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی اور خود انہوں نے نارنجی (علاقہ سرحد) میں محاذ قائم کر کے جنگ شروع کر دی تھی[۲]۔''

(میرٹھ میں جو انقلاب آیا، اس سے متعلق علامہ فیض عالم صدیقی کی سنیئے: ''اپریل ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی میں ایک فقیر نمودار ہوا۔ انگریزوں نے اسے چھاؤنی سے نکل جانے کا حکم دیا مگر وہ پھر بھی ۲۰/ پیادہ فوج کی لائینوں میں بیٹھا رہا۔ وہ ایک اہل حدیث عالم تھا اسی کی کوششوں سے میرٹھ میں انقلاب آیا[۳]۔''

مولانا آل احمد سہسوانی کے صاحبزادے اور مولانا سراج احمد سہسوانی کے برادر صغیر مولانا سید نیاز احمد سہسوانی نے بھی بعض بزرگوں کے دست مبارک پر بیعت جہاد کی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شریک ہوئے۔ آپ ۱۸۵۷ء کو سہسوان ہی میں شہید ہوئے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے انتہائی فعال اہل حدیث مجاہد مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی سے متعلق سنئے۔ آپ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل ہی اپنا جہاد شروع کر چکے تھے۔ پورے ملک میں آپ کی تقریروں کی دھوم تھی۔ عوام میں ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ فیض آباد کی پولیس نے گرفتار کرنے

---

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان: ۱۴۳۔

(۲) ۱۸۵۷ء: ۳۵۵۔

(۳) اختلاف امت کا المیہ: ۲۲۳، ۲۲۴، طبع دوم۔

سے انکار کر دیا لہذا فوج کی مدد سے گرفتار کیا گیا، پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ مگر فوجیوں اور عوام نے بغاوت کر کے جیل خانہ توڑ دیا اور آپ کو آزاد کرا لیا۔ لکھنؤ کی تاریخ آزادی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر آستین میں سانپ والا معاملہ نہ ہوتا تو آپ یقیناً کامیاب ہو جاتے۔ جون ۱۸۵۷ء کو جگن ناتھ سنگھ اور اس کے بھائی بلدیو سنگھ نے آپ کو دھوکہ دہی سے شہید کر دیا۔

اسی طرح مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالجلیل شہید علی گڈھی نے بھی علی گڈھ کی تحریک آزادی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر بڑی جوانمردی سے حصہ لیا اور اپنے لہو سے تحریک آزادی کی تاریخ میں اپنے کارناموں کو رقم کیا)۔

یہ تھے ہمارے سلف صورت مہ وخورشید
جو تجھ سے ہو سکے ان کا جواب پیدا کر

برصغیر کی ہر اسلامی واصلاحی تحریک میں اہل حدیث کا بڑا حصہ رہا ہے، اس کو جھٹلانا تاریخ کو مجروح کرنا ہے۔

﴿۱۸﴾ اہل حدیث علماء میں

نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد حسین بٹالوی، سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی نفی کر رہے تھے۔ جب کہ نواب صاحب اور بٹالوی صاحب ہندوستان کو دارالسلام قرار دے رہے تھے، انہوں نے انگریزوں کی خوشنودی حاصل کی

ہمارے بریلوی حضرات میں محترم عبدالحکیم شرف قادری نے ایک کتاب لکھی ہے ''اندھیرے سے اجالے تک'' اس کتاب میں موصوف نے ایک عام قاری کو اندھیرے سے اجالے تک لے جانے کی بجائے مزید اندھیرے میں پہنچادیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

''مولانا کرامت علی جونپوری خلیفہ سید صاحب، نواب بھوپالی، بٹالوی صاحب، میاں نذیر حسین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، تھانوی صاحب اور مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی سب ہی تو دارالحرب کی نفی کر رہے ہیں۔ کیا ان سب ہی کو دشمن آزادی قرار دیا جائے گا؟ نواب صاحب، بٹالوی صاحب اور مولانا جونپوری تو دارالسلام قرار دے رہے ہیں، کیا ان پر بھی انگریز کو خوش کرنے کا الزام لگایا جائے گا؟ اور اگر نہیں تو ترجمان وہابیہ اور اشاعۃ السنۃ کی فائلوں کو دیکھ لیجئے، انگریزوں کو راضی کرنے کے ایسے ایسے منظر سامنے آئیں گے کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔'' (اندھیرے سے اجالے تک: ۲۱۶، طبع اول)۔

جواب: ☆

محمد عبدالحکیم شرف قادری نے مولوی کرامت علی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیخ الکل سید نذیر حسین، مولانا حافظ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ عبدالحئ حنفی لکھنوی سے متعلق کہا کہ انہوں نے ہندوستان کو دارالسلام قرار دیا تھا۔

مولوی کرامت علی جونپوری سے متعلق بتاتا چلوں کہ وہ سید احمد شہید کے خلیفہ ضرور تھے مگر وہ اہل حدیث کے طریقوں پر نہ تھے، جیسا کہ ان سے متعلق گمان کیا جاتا ہے کہ وہ اہل حدیث تھے مولوی کرامت علی سے متعلق مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ:

> ''مجاہدین اور اتباع سید احمد شہید کے سب سے بڑے واقف کار مسٹر جیمس اوکنلی James Okinley نے شہادت دی ہے کہ مولوی کرامت علی صاحب برطانوی حکومت کے مؤید اور وہابیوں کے پکے مخالف تھے۔ Persistant Opponant of Wahabis یہ تصدیق نامہ راج محل (بہار) میں ۳۱، اکتوبر ۱۸۷۰ء کو دیا گیا تھا۔ جسے خود ان کے پوتوں نے فخریہ ۱۹۱۴ء کو طبع کرایا تھا۔ (وہ خوبصورت اور نظر فریب پمفلٹ راقم کی نظر سے گزر چکا ہے) اس میں ان کے صاحبزادے مشہور ادیب مولوی عبدالاول صاحب جون پوری اور حافظ احمد صاحب کی وفاداری کی بھی تصدیق ہے۔ ان کے علاوہ راقم بھی یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ عقاید و اعمال میں وہ سید صاحب کے اصحاب خاص کی روش سے بالکل الگ تھے (۱)۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی کرامت علی صاحب ''وہابیوں'' کے پکے مخالف تھے پھر جو شخص یہ بات لکھے کہ:

☆ از قلم محمد تنزیل۔

(۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (حاشیہ): ۴۵۔

''اگر کوئی گم کردہ راہ مجنوں اپنی الٹی قسمت کی وجہ سے ملک ہندوستان کے انگریز حاکموں کے خلاف جنگ شروع کر دے تو اس قسم کی جنگ کو بغاوت تصور کیا جائے گا اور بغاوت اسلامی فقہ میں سخت منع ہے۔ اس لئے یہ جنگ بھی ناجائز ہوگی۔ اگر کوئی شخص کسی حالت میں بھی ایسی جنگ کرے گا تو مسلمان اپنے حاکموں کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں گے اور ان کے ساتھ مل کر باغیوں سے جنگ کریں گے۔ مندرجہ بالا امر صاف طور پر فتاویٰ عالم گیری میں موجود ہے[1]۔''

وہ ''وہابی'' ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ ویسے قربان جائے اس وفاداری فرنگ کے کیسی کیسی دلربا عبارات اس میں موجود ہیں، نہ معلوم موصوف نے یہ مختصر پیراگراف لکھ کر اپنے انگریز حاکموں سے کیا کچھ لیا ہوگا۔ مگر افسوس کہ وہ اس ''پیراگراف'' کو لکھتے ہوئے اپنے حقیقی ''حاکم'' جو ''احکم الحاکمین'' ہے کو بھول گئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بارہویں تیرہویں صدی ہجری میں مولوی کرامت علی جیسے سینکڑوں ''مولوی'' انگریزوں کو خود اس کے آستانے پر سر جھکائے با آسانی مل گئے اور اگر یہ نہ ملتے تو دہلی کے ''لال قلعہ'' پر اتنی آسانی سے ''یونین جیک'' کبھی نہیں لہراتا۔

نواب صدیق حسن خانؒ جہاں تک ان کے اہل حدیث ہونے کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں لیکن پولٹیکل معاملوں میں ان کی روش اہل حدیث سے ذرا مختلف تھی۔ عبدالحکیم شرف صاحب قادری نے نواب صاحب کے نظریات ان کی تصنیف ''ترجمان وہابیہ'' سے لئے ہیں۔ اس تصنیف سے متعلق مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''اس میں بدنام وہابیوں کے متعلق طرح طرح کی ''دلچسپ'' باتیں کہی گئی ہیں جو اصلیت سے دور ہیں[2]۔''

ایک اور مقام پر اسی تصنیف سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) ۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان: ۳۱۹، ۳۲۔

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۱۷۲۔

''اس رسالہ میں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے جماعت کے متعلق عجب متضاد اور بے جوڑ باتیں کہی ہیں۔ غالبًا وہ اپنے وقت کے مخصوص حالات سے گھبرا گئے تھے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے[1]۔''

نواب صاحب کی سیاسی کشمکش اور الجھن کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مسعود عالم ندوی مولانا عبدالغفار صادق پوری سے روایت کرتے ہیں کہ:

''نواب صاحب کا حال کچھ فرقہ ملامتیہ کا سا ہے۔ اہل نجد کی بھی کوئی برائی نہیں ہے، جوانہوں نے اپنی کتابوں میں نہ کی ہو۔ (اتحاف النبلاء: ۱۶-۴۱۳۔ التاج المکلل، موئد العوائد وغیرہ) اور یہ صرف وہابیت سے برأت کے لئے۔ ورنہ وہ دل سے نجد کی دعوت توحید کے معترف اور ثناخواں ہیں۔ (اتحاف: ص۸۴) کچھ یہی حال ان کا اہل صادق پور کے ساتھ ہے کہ ایک مرتبہ کلکتہ سے واپسی میں ملنے کی خواہش ہوئی تو دانا پور میں غلس کے وقت علمائے صادق پور کو آنے کی تاکید کی کہ کراماً کاتبین کو خبر نہ ہو ملاقات ہوئی باتیں ہوئی مگر اس حال میں کہ ہر آن رقیبوں کا کھٹکا لگا ہوا تھا[2]۔''

خود مولانا مسعود عالم ندوی کہتے ہیں کہ:

''وہ (نواب صدیق حسن خاں) حکومت کے سامنے اپنے کو عظیم آباد اور صادق پور سے بالکل بے تعلق دکھانا چاہتے تھے اور یہی ہو کر رہا[3]۔''

مولانا محمد حسین بٹالوی اہل حدیث تھے بلکہ اہل حدیث گر تھے، ان کی کتاب ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' اپنے موضوع پر لکھی جانے والی ایک پہلو سے یادگار کتاب تھی۔ مخالفین اس کا بہت

---

(۱) محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح: ۱۱۹۔

(۲) مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر (حاشیہ): ۱۰۰۔

(۳) کتاب مذکور: ۱۰۰۔

ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ یہ کتاب جہاد کے خلاف لکھی گئی ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جب ولیم، ولسن ہنٹر نے جہاد کی نہایت مکروہ شکل پیش کی اور اسے انتہا پسند مسلمانوں کا جنون و پاگل پن کہا تو ضرورت سمجھی گئی کہ ولیم ولسن ہنٹر کی اس غلط فہمی کو دور کیا جائے اور بتایا جائے کہ جہاد کیا ہے، وہ کن حالتوں میں فرض ہو جاتا ہے، اس کے اصول کیا ہیں۔ مولانا بٹالوی نے اپنی کتاب میں اسی بات کو واضح کیا ہے اس کتاب میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ انگریز سے جہاد حرام ہے اور نہ ہی ہندوستان کو دارالحرب یا دارالسلام کہا، البتہ ایک کشمکش کا عالم ضرور ہے۔

شیخ الکل سید نذیر حسینؒ سے متعلق عبدالحکیم شرف قادری کا بھولپن بھی خوب ہے، موصوف نے ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کی ایک عبارت پیش کی کہ:

> ''ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا[1]۔''

جب کہ موصوف اس بات سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے موقع پر انگریزوں کے خلاف فتوی جہاد میں میاں صاحبؒ کے دستخط بھی موجود ہیں، پھر بھلا میاں صاحب ہندوستان کو دارالامان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ الحیاۃ بعد المماۃ کا یہاں حوالہ دینا درست نہیں ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں تو یہ بھی درج ہے کہ شیخ الکلؒ نے ۱۸۵۷ء کے فتوی جہاد پر دستخط نہیں کئے، جب کہ انہوں نے دستخط کئے تھے علاوہ ازیں اور بھی تاریخی معاملات ایسے ہیں جن میں ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کی گواہی درست نہیں ہے۔

اب رہی مولانا حافظ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی تحریر جو موصوف نے سعید احمد اکبرآبادی کی ''ہندوستان کی شرعی حیثیت'' (ص: ۵۳) سے لی اور انہوں نے ڈپٹی صاحب کی تحریر کو ان کے ''ترجمہ قرآن پاک'' (حاشیہ سورۃ النساء رکوع ۱۴) سے اخذ کیا۔

مولانا حافظ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی تحریر درج ذیل ہے:

---

(۱) اندھیرے سے اجالے تک: ۲۱۵۔

''دارالحرب سے مراد وہ ملک ہے جس میں کافروں کی عمل داری ہو اور وہاں کا حاکم مذہبی ضد سے مسلمانوں کو فرائض اسلامی نماز، روزہ، حج، زکوۃ کے بجالانے سے روکے اور منع کرے، تو ایسے ملک میں مسلمانوں کو رہنا درست نہیں بلکہ ترک وطن کرکے کسی اور ملک میں چلا جائے جہاں بجا آوری فرائض کی روک ٹوک نہ ہو اور دارالحرب پر مسلمانوں کو جہاد کی بھی اجازت ہے جن کو جہاد کرنے کی طاقت ہو [1]۔''

ہمارے ڈپٹی صاحب کی تحریر سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کو دارالسلام قرار دیتے تھے عبدالحکیم قادری نے جو تحریر ''ہندوستان کی شرعی حیثیت'' کے حوالے سے نقل کی ہے ملاحظہ ہو:

''خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان باوجودیکہ نصاریٰ کی عمل داری ہے، دارالحرب نہیں ہے [2]۔''

اس تحریر کا ہمارے ڈپٹی صاحب کے ''ترجمہ قرآن پاک'' میں کہیں کوئی نام ونشان نہیں۔ عبدالحکیم شرف قادری سے عرض ہے کہ ہمارے ڈپٹی صاحب کا ''ترجمہ قرآن پاک'' اس قدر مفقود بھی نہیں کہ وہ اسے نہ دیکھ سکتے ہوں، پھر بغیر تحقیق کئے مذکورہ بالا تحریر کو نقل کرنے کے کیا معنی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا عبدالحئی لکھنوی کے بارے میں ہم جواب دہ نہیں، یہ حضرات دیوبند کا معاملہ ہے ہم خود بھی یہ بات کہتے ہیں کہ ان حضرات نے انگریزی حکومت کی حمایت میں ہندوستان کو دارالسلام کہا تھا۔

نواب صاحب اور مولانا بٹالوی پر ہندوستان کو دارالسلام کہنے کا اور انگریزوں کی خوشنودی کا الزام، تو یہ عبدالحکیم صاحب قادری کی کج ذہنی کا نتیجہ ہے۔ اگر نواب صاحب نے انگریزوں کی خوشنودی حاصل کی اور انہیں انگریزوں سے فوائد بھی حاصل ہوئے تو جناب عبدالحکیم قادری اس کی کوئی مثال ہی دے دیتے، تاکہ ہم بھی باخبر ہوسکتے کہ انہیں کون سے فوائد حاصل ہوئے۔

(١) حاشیہ سورۃ النساء آیت: ٩٧۔

(٢) اندھیرے سے اجالے تک: ٦١٥، ٢١٦۔

حضرت نواب صاحب کو انگریزوں سے فائدہ کیا ہوا، مزید یہ ظلم ہوا کہ آپ کو نوابی سے معزول کر دیا گیا اور اختیارات چھین لئے گئے۔ چنانچہ مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں کہ:

''ادھر قصہ فرہاد و داستان قیس یعنی مجاہدین کا وہ خونی افسانہ ابھی زبان زد عام تھا جس نے کوہستان کشمیر و کابل کو اپنے خون شہادت سے لالہ زار بنا دیا تھا، انبالہ کا وہابی کیس ابھی ابھی ختم ہوا تھا جس میں حضرات صادق پور بہار مولوی احمد اللہ و مولانا یحییٰ علی و حضرت عبدالرحیم و سیدنا عبدالغفار و منشی مولانائے جعفر علی تھانیسری وغیرہم کالے پانیوں کو بحر نور سے بدلنے کے لئے بھیج دیئے گئے تھے۔ ان اہوال (احوال) میں السید صدیق حسن خاں جیسے مجدد الوقت پر الزامات لگانے کیا مشکل تھے، پس یہ روئیداد جرم یوں مرتب کی گئی۔

الزامات

(۱) ترغیب جہاد اور گورنمنٹ کی مخالفت

(۲) مذہب وہابیت کی ترغیب [۱]۔''

اس کے بعد مولانا نوشہروی مزید الزامات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''یہ رسم انتزاع ۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ = ۱۸۸۵ء کو عمل میں آئی [۲]۔''

''اشاعۃ السنۃ'' انگریزوں کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ بدنام ''وہابیوں'' کے دفاع کے لئے شائع کیا جاتا تھا۔ اشاعۃ السنۃ کی اشاعت کا مقصد تردید تقلید تھا، چنانچہ اس زمانے کے وہ تحریری مناظرے جو مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کے درمیان ہوئے آج بھی مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ اشاعۃ السنۃ میں سرسید کی نیچریت کے خلاف بھی لکھا گیا مگر افسوس ''اشاعۃ السنۃ'' کے رسالے کچھ ایسے ہوّا بنے کہ جس کا دل چاہتا ہے وہ اہل حدیث کی مخالفت کرتا ہے اور دلیل کے طور پر اشاعۃ السنۃ کی فائلوں کا تذکرہ کر دیتا ہے۔ خواہ اس نے کبھی

(۱) تراجم علماء حدیث ہند: ۱/۲۹۴، ۲۹۵۔

(۲) تراجم علماء حدیث ہند: ۱/۲۹۴، ۲۹۵۔

''اشاعۃ السنۃ'' کا ٹائٹل تیج بھی نہ دیکھا ہو۔ سرسید احمد خان، مولانا محمد حسین [۱] بٹالوی کے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب لاہوری ہر مہینہ ایک رسالہ نکالتے ہیں جس کا نام اشاعۃ السنۃ ہے۔ یہ رسالہ دراصل انہوں نے اپنے چھوٹے بھائیوں کی خدمت گذاری کے لئے نکالا تھا یعنی اس زمانہ میں جن کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں ایک وہابی مقلد دوسرے وہابی لا مذہب یا غیر مقلد جو اپنے تئیں موحد یا اہل حدیث کے نام سے موسوم ہونا پسند کرتے ہیں اور وہ لوگ جو بدعتی کہلاتے ہیں پہلے فرقہ کو چھوٹے بھائی اور دوسرے کو بڑے بھائی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں [۲]۔''

محمد خالد سیف لکھتے ہیں کہ:

''مولانا بٹالوی کے اشاعۃ السنۃ جاری کرنے کا مقصد اپنے چھوٹے بھائیوں مقلدین کو راہ راست پر لانا تھا چنانچہ ابتداء میں یہ رسالہ تردید تقلید اور اشاعت سنت ہی کے لئے وقف تھا، لیکن بعد میں سرسید مرحوم اور ان کی نیچریت کا چرچا ہوا تو مولانا نے ''اشاعۃ السنۃ'' کا رخ اس طرف پھیر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا حالی نے ''تہذیب الاخلاق'' کی تردید میں شائع ہونے والے رسالوں میں ''اشاعۃ السنۃ'' کو شمار کیا ہے...... یہ دعویٰ کہ اجراء کا مقصد اہل حدیث کو انگریز کے قریب کرنا تھا، انتہائی بے بنیاد اور بے دلیل ہے اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش فرمائیں۔ **هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين!** [۳]۔''

---

(۱) مولانا بٹالوی سے متعلق راقم کے خیالات جاننے کے لئے خاتمہ کتاب ضرور پڑھیے۔

(۲) تہذیب الاخلاق پرچہ اول ۱۲۹۶ھ منقول حاشیہ از اشاعۃ السنۃ جلد ۲ ر شمارہ ۶ ر ضمیمہ صفحہ ۱۔

(۳) کالا پانی: ۳۵۔

حضرات بریلوی کا کہنا ہے کہ اس وقت ہندوستان دارالسلام تھا۔ عبدالحکیم شرف قادری کا پورا زورِ قلم اسی بات کو ثابت کرنے میں صرف ہوا۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

مگر ان سے بہتر تو وہ انگریز ولیم ولسن ہنٹر تھا، جس نے اس مسئلے کی صحیح نوعیت کو سمجھا اور اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' (ص: ۱۹۰، ۲۰۰ طبع فیصل آباد) میں ان فتوؤں پر جو ہندوستان کے دارالسلام ہونے پر تھے، کی تردید کی۔ اس نے احناف ہی کی معتبر کتابوں کا ان کے اماموں کے اقوال کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا کہ اس وقت ہندوستان دارالحرب ہو چکا تھا لہٰذا کچھ اس انگریز کی زبان میں بھی سنتے چلئے:

''ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو شرائط امام ابوحنیفہ نے بیان کیں یا زمانہ سلف کی بعض کتابوں میں مرقوم ہیں وہ بجنسہ ہندوستان پر عائد ہو جاتی ہیں۔ گویا قدیم اصولوں کے مطابق ہندوستان واقعی دارالحرب ہے[1]۔''

مگر افسوس کہ انگریز کی خوشنودی میں یہ سب کچھ بھول گئے۔ ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا بریلوی اور ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی جیسے علماء انگریزوں کے حق میں ہندوستان کو دارالسلام کہتے ہیں۔ ان سے زیادہ ''صاف گو'' اور ''ایماندار'' تو وہ فرنگی ہے جس نے ہندوستان کو دارالحرب کہا۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا دامن یزداں چاک یا اپنا گریباں چاک

عبدالحکیم صاحب قادری کو میرا مشورہ ہے کہ وہ تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر روشن خیالی کا مظاہرہ کریں۔

---

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان: ۱۹۲۔

﴿۱۹﴾ وہابیوں نے حکومت برطانیہ سے اپنی باقاعدہ وفاداری کا اعلان کیا

فن تاریخ کی جو خدمت محترم ڈاکٹر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم نے کی ہے، شاید ہی کسی نے کی ہو۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے تاریخ میں جعل سازی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے موصوف کو نہ جانے اہل حدیثوں سے کیا بغض تھا کہ ان کے ترکش کے تمام تیر صرف اہل حدیثوں پر ہی چلے چنانچہ مقدمہ ''تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''غیروں اور اپنوں کے اس رویئے سے بدنام ''وہابی'' گھبرا اٹھے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے جہاد کی تحریک اندرون ہندو پاکستان قطعی طور سے ختم ہوگئی۔ اپنے لئے ''وہابی'' کی بجائے ''اہل حدیث'' کا نام مروج و مشتہر کیا انہوں نے باقاعدہ وفاداری حکومت کا اعلان کیا۔'' (مقدمہ ''تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی'': ۲۹، طبع ۱۹۶۲ء)۔

جواب: ☆

نہ معلوم ڈاکٹر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم کو وہابیوں سے کیسی بغض وعدوات تھی، جو وہ گاہے بگاہے وہابیوں پر الزام تراشی وتنقید کے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ جہاں تک تنقید کا سوال ہے وہ تو ہوا ہی ہے لیکن قادری صاحب کے قلم سے کچھ سچ بھی نکل گیا ہے۔ بقول ان کے

☆ از قلم محمد تنزیل۔

''غیروں اور اپنوں کے اس رویئے سے بدنام 'وہابی' گھبرا اٹھے۔''

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان وہابی مجاہدین کی تحریک کو کچلنے میں غیر اور اپنے دونوں ہی شامل تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ قادری صاحب اپنا اور اپنے اکابرین وہمشرب حضرات کا شمار کس میں کرتے ''غیروں'' میں یا ''اپنوں'' میں، لیکن یہ بات تو طے ہے کہ ان کا اور ان کے اسلاف کا تعلق وہابی مجاہدین سے ہرگز نہیں تھا۔

ممکن ہے کہ ہمارے حنفی بھائی ''اپنوں'' اور ''غیروں'' میں تمیز نہ کرسکیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ''اپنے'' وہ تھے جو مسلمان ہوکر بھی مسلمان کے دشمن تھے، اسلام کے دشمن تھے۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تحریک جہاد کی ناکامی میں جو کردار ''اپنوں'' نے ادا کیا، جو زخم ''اپنوں'' نے پہنچائے، اس کا عشر عشیر بھی انگریز ان ''وہابیوں'' کو نہ پہنچا سکا۔

یہ بھی درست ہے کہ ''اپنوں'' ہی کے ستم کا شکار ہوکر ''بدنام وہابی'' گھبرا اٹھے۔ ملاحظہ کیجئے مولوی حسین احمد مدنی کی ''شہاب ثاقب''، مولوی عبدالجلیل سلمہ الخلیل یوسف زئی کی ''سیف المقلدین علی اعناق المنکرین'' مولوی محمد بن عبدالقادر لدھیانوی کی ''انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد'' مولوی فضل رسول بدایونی کی ''سیف الجبار''، ''البوارق المحمدیہ لرجم شیاطین نجدیہ''...... یہ وہ تصانیف ہیں، جن میں ''وہابیوں'' سے متعلق اتنی غلیظ گالیاں ہیں کہ جس کا تصور بھی انسانیت کو تار تار کرتا ہے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

ہاں ہاں ''ناطقہ سر بگریباں ہے'' اور ''خامہ انگشت بدنداں ہے'' کہ یہ ''علماء'' ہیں جن کے لب ولہجہ پر سوقیت غالب ہے، جن کی تحریریں دائرہ علم وادب سے باہر ہیں۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے: ''ان العلماء ورثة الانبیاء'' یعنی ''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔'' لیکن کیا حسین احمد مدنی، عبدالجلیل یوسف زئی، محمد بن عبدالقادر لدھیانوی، فضل رسول

بدایونی جیسے علماء بھی انبیاء کے وارث ہو سکتے ہیں۔ ان سبھوں کا کردار تاریخ میں بالکل محفوظ ہے۔

یہ ضرور تھا کہ ان حالات سے ''وہابی'' گھبرا اٹھے لیکن انہوں نے ہتھیار کبھی نہیں ڈالے۔ قادری صاحب کا یہ اعتراض کہ ''وہابی'' مجاہدین نے ہتھیار ڈال دیئے، نہایت ہی فضول ہے، کیونکہ یہ تحریک کبھی بھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ تحریک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خوابوں کی تعبیر، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اصولوں کی متبع، شاہ اسماعیل شہید وسید احمد شہید کے اخلاص کا ثمر اور اہل صادق پور کی انتھک محنت کا نتیجہ تھی۔ جس نے ہندوستان کے طول وعرض میں ایمان کی حرارت کو تیز کر دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے عہد مقدسہ کی یاد تازہ کر دی۔

یہ تحریک جہاد مسلسل انگریزی سامراج سے برسر پیکار رہی۔ یہ تحریک جہاد بالاکوٹ کے میدانوں میں ختم نہیں ہوگئی بلکہ ملک آزاد ہونے تک جاری رہی۔ یہ الزام کہ ''بدنام وہابیوں'' نے ہتھیار ڈال دیئے، یہ کہنا کہ جہادی تنظیم اندرون ہندو پاکستان بالکل ختم ہوگئی۔۔۔ آیئے اسے تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں:

۳۱۔ ۱۸۳۰ء کے بعد بھی کتنی ہی مرتبہ وہابیوں اور انگریزوں کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ ۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۷ء تک مختلف محاذوں پر معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ ۱۸۶۳ء میں ''معرکہ امبیلا'' ہوا، جسے کافی شہرت حاصل ہوئی، جس میں انگریزوں کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اپنی اس خفت کو مٹانے کے لئے اس نے سازشوں کے مختلف مقدمات قائم کئے۔ چنانچہ پہلا مقدمہ سازش انبالہ ۱۸۶۴ء میں بنا، دوسرا مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء میں بنا، تیسرا مقدمہ سازش مالدہ ۱۸۷۰ء میں بنا، چوتھا مقدمہ سازش راج محل ۱۸۷۰ء میں دوبارہ بنا اور پانچواں مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۷۱ء میں بنا۔ ان مقدمات کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ۱۸۶۰ء تا ۱۸۷۵ء تک کا درمیانی فاصلہ ان ''وہابی مجاہدین'' کے لئے کتنا کٹھن تھا۔ یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوگیا اس کے بعد بھی راہ عزیمت کی داستان ان وہابی مجاہدین کے لہو سے لالہ زار ہوتی رہی، یار

لوگوں کو خبر ہونی چاہئے کہ:

یہ ہمیں تھے جن کے لباس پر سر روسیاہی لکھی گئی

یہی داغ تھے جو سجا کے ہم، سر بزم یار چلے گئے

یہ تحریک جہاد سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا عبداللہ، مولانا احمد اللہ، مولانا فرحت حسین، مولانا یحییٰ علی...... سے لے کر مولانا عبدالرحیم، مولانا محمد بشیر، مولانا فضل الٰہی، مولانا عبدالخبیر تک کسی نہ کسی امیر کی معیت میں سرحد و اندرون ہند اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہی۔

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گذر گئے

رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنادیا

دوسرے اہل قلم اس تحریک سے متعلق کیا لکھتے ہیں سنتے چلئے، بقول ولیم ولسن ہنٹر:

''اس وقت وہابیوں کی دیکھ بھال اور ان کو اعتدال پر رکھنے کے لئے صرف ایک ہی صوبے کا خرچ اس قدر بڑھ گیا تھا جتنا ایک انگریزی ضلع کا جس میں اسکاٹ لینڈ سے ایک تہائی انسان بستے ہیں[1]۔''

اس تحریک کی جہادی تنظیم سے ولیم ولسن ہنٹر بہت متاثر تھا اور اسے اعتراف تھا کہ صادق پور پٹنہ سے لے کر بالاکوٹ کے میدانوں تک اس تحریک کے تنظیمی امور نہایت خفیہ طریقوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پا رہے تھے۔

اس تحریک کی جہادی امور کی تنظیمی قابلیت کا اعتراف تقریباً ہر انگریز مصنف نے کیا ہے اس کا اعتراف بعض انصاف پسند حنفی حضرات کو بھی ہے چنانچہ عبیداللہ فہد فلاحی لکھتے ہیں کہ:

''سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی بالاکوٹ میں شہادت کے بعد یہ تحریک جہاد سرد نہیں پڑ گئی۔ اسے ضرب کاری تو ضرور لگی لیکن دشمنان اسلام کے خلاف معرکہ

---

(۱) ہمارے ہندوستانی مسلمان: ۱۵۷۔

آرائی جاری رہی، اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد مدہم نہ ہوئی بلکہ جنگ آزادی (۱۹۴۷ء) تک مسلسل مختلف رہنما اس کی قیادت کرتے رہے اور خون کے چھینٹوں سے گلشن امت اور دبستان اسلام کی آبیاری کرتے رہے (۱)۔"

مگر افسوس کہ محمد ایوب صاحب قادری اس سے متفق نہیں اور جہادی امور کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جہادی تنظیم ختم ہوگئی تھی۔

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے

قادری صاحب کا یہ اعتراض کہ وہابیوں نے اپنے لئے "وہابی" کی بجائے "اہل حدیث" کا لفظ مروج ومشتہر کیا کس قدر مضحکہ خیز ہے، موصوف کا کہنا ہے کہ:

"اپنے لئے "وہابی" کی بجائے "اہل حدیث" کا نام مروج ومشتہر کیا......سرکاری تحریرات میں "وہابی" کے بجائے "اہل حدیث" لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے (۲)۔"

اللہ رے سخن فہمی ——— میرے محترم

خندہ غیر کی مجھ کو پرواہ کیا تھی؟
تم بھی ہنستے ہو میرے حال پہ رونا یہی تو ہے

موصوف یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ "اہل حدیث" کوئی فرقہ جدید ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ "اہل حدیث" کی ابتداء زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ صدی پیشتر کی ہے اس کے جواب میں ہم مولانا مفتی رشید احمد صاحب کو کہ وہ خود حنفی المذہب ہیں، کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں:

"تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہل حق میں فروعی اور جزوی مسائل کے حل کرنے میں اختلاف انظار کے پیش نظر پانچ مکاتیب فکر قائم ہوگئے۔ یعنی مذاہب

---

(۱) تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں: ۱۹۶۔

(۲) مقدمہ "تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی": ۲۹۔

اربعہ اور اہل حدیث، اس زمانے سے لے کر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا[۱]۔"

اسی طرح سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک غیر جانبدارانہ تحریر بھی نقل کرتا ہوں جو کہ حقیقت پر مبنی ہے۔

"وہابی دراصل کسی فرقہ کا نام نہیں ہے۔ محض طنز اور طعن کے طور پر ان لوگوں کے لئے ایک نام رکھ دیا گیا ہے جو یا تو اہل حدیث ہیں، یا محمد ابن عبدالوہاب کے پیرو ہیں۔ اہل حدیث کا مسلک تو قدیم ہے۔ ائمہ اربعہ کے زمانہ سے چلا آتا ہے یہ ان لوگوں کا گروہ ہے جو کسی امام کی تقلید اختیار کرنے کے بجائے خود حدیث و قرآن سے احکام کی تحقیق کرتے ہیں۔ رہے محمد ابن عبدالوہاب کے پیرو۔ تو وہ دراصل حنبلی طریقہ کے لوگ ہیں۔ ان کی فقہ اور ان کے عقائد وہی ہیں جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے تھے۔ ہندوستان میں یہ مؤخر الذکر گروہ غالباً کہیں موجود نہیں ہے جن لوگوں کو یہاں وہابی کہا جاتا ہے وہ دراصل پہلے گروہ کے لوگ ہیں[۲]۔"

اب رہا یہ کہ وہابیوں نے باقاعدہ وفاداری حکومت برطانیہ کا اعلان کیا۔ یقیناً یہ مغالطہ محمد ایوب قادری مرحوم کو "تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی" از مولانا محمد جعفر تھانیسری پڑھ کر اور مولانا محمد حسین بٹالوی کے نظریات سے واقفیت کے بعد ہوا ہوگا۔ ہم اس بات کا نہایت فراخ دلی سے اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک "کالا پانی"، "حیات طیبہ" اور کچھ اسی قسم کی کتابوں میں ایسے مواد ملتے ہیں کہ جس سے حکومت برطانیہ کی وفاداری کا اظہار کیا گیا ہو، لیکن ذرا اس بات پر بھی غور کیا جانا چاہئے کہ یہ کتابیں کب تحریر کی گئیں۔ اس وقت کے حالات کیا تھے، اگر ان

---

(۱) مودودی صاحب اکابر امت (بلکہ اکابر دیوبند) کی نظر میں: ۹۰۔

(۲) رسائل و مسائل: ۱/۱۹۱، طبع ۱۹۸۶ء۔ اہل حدیث کی قدامت، اس کی تاریخ اور خصوصاً سرزمین ہند میں اس کی نشوونما سے متعلق مکمل تفصیل اس عاجز کی زیر تکمیل تالیف "ہندوستان کی تاریخ عمل بالحدیث" میں ملے گی۔

پہلوؤں پر غور کیا جائے تو یہ مشکل با آسانی حل ہو سکتی ہے۔ اب رہا یہ کہ مولانا محمد جعفر تھانیسری اور دیگر چند افراد نے ایسا کیوں مناسب خیال کیا۔ تو یہ ان کا انفرادی نظریہ تھا۔ اسے اجتماعی نظریے پر محمول نہیں کیا جانا چاہئے۔ غور کیجئے؟ مولانا تھانیسری اور ان چند افراد نے حکومت برطانیہ کا دم بھرنے کی کوششیں ضرور کیں، لیکن کیا تحریک جہاد ختم ہو گئی، کیا مجاہدین نے جہاد سے منھ موڑ لیا۔ قادری صاحب اور ان کے ہمشرب حضرات کو مولانا تھانیسری، مرزا حیرت دہلوی اور مولانا بٹالوی کے نظریات خوب نظر آتے ہیں۔ مگر وہ لوگ، وہ پورا گروہ، وہ پوری جماعت جو صادق پور سے لے کر ستھانہ کی وادیوں تک مصروف جہاد ہے نظر نہیں آتی۔

آنکھیں اگر بند ہیں، تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

ان حضرات کا نظریہ صرف ان کی ذات تک محدود تھا، ان کا نظریہ قوموں کے رخ تبدیل نہ کر سکا، تحریک جہاد ہر حال میں جاری رہی۔ لیکن محققین احناف سے سوال ہے کہ ان کا کردار اس وقت کیا تھا؟

﴿۲۰﴾ مولانا محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' لکھا

محمد ایوب قادری اپنے مضمون ''سرسید احمد خان اور وہابی تحریک'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اس سلسلہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی نمایاں خدمات ہیں۔ انہوں نے ایک رسالہ اشاعۃ السنۃ خاص اسی مقصد کے لئے جاری کیا کہ وہابیوں کو گورنمنٹ کے قریب تر کر سکیں۔ انہوں نے جہاد کی منسوخی پر نہ صرف مضامین لکھے بلکہ مستقل ایک رسالہ'' الاقتصاد فی مسائل الجہاد لکھا۔'' (ماہنامہ ''البلاغ'' (کراچی) جولائی ۱۹۷۰ء)۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ پر رقم طراز ہیں کہ:

''جماعت اہل حدیث کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ۔۱۳۳۸ھ) نے سرکار انگریزی سے موافقت اور وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کے جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' تصنیف کیا۔'' (تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی (حاشیہ): ۸۵ طبع ۱۹۶۲ء)۔

جواب:

مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۸۷۷ء کو رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' کا اجراء کیا۔ اس کا مقصد مرزا غلام احمد کی نبوت، تقلید جامد کے اثرات، عام مسلمانوں کی بدعات اور اجتہادی

جمود کے خلاف آواز بلند کرنا تھا۔ (محمد ایوب صاحب قادری نے جو مقاصد بیان کئے ہیں وہ سچائی کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے ہیں یہ ضرور تھا کہ اس وقت ''اپنوں'' کے کردار کو دیکھتے ہوئے علماء اہل حدیث نے اپنی پالیسی کسی حد تک تبدیل ضرور کی۔ انگریزوں کے دل میں وہابیوں کے خلاف جو میل پیدا ہو گیا تھا اسے دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ علماء صادق پور میں مولانا محمد حسن ذبیح اس معاملے میں نمایاں ہیں۔ جب کہ دیگر حضرات میں مولانا محمد جعفر تھانیسری سمیت مولانا محمد حسین بٹالوی بھی شامل ہیں۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یہ انگریزی سرکار کے آلہ کار تھے)۔

مولانا محمد حسین بٹالوی نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، انہی تصانیف میں ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' بھی ہے۔ اس کتاب کے خلاف بڑے شد و مد کے ساتھ ہمارے حنفی بھائی شور مچاتے ہیں کہ مولانا بٹالوی نے جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے، کاش کہ ہمارے حنفی بھائی تعصب کی عینک اتار کر سچائی وانصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو بات واضح ہو جاتی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ برصغیر میں حریت پسند مجاہدین ہی انگریزوں کے مدمقابل تھے اور جہاد کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ (انگریز) خائف تھے تو انہی سے دوسرے تو انگریزوں کی خوشنودی میں جہاد کے خلاف فتوؤں پر فتوے دے رہے تھے۔ بقول ولیم ولسن ہنٹر، ''ہر معمولی مسجد کے ملانے بھی وہابیوں کے خلاف فتوے لکھ کر ہماری خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔'' انہی حالات کے پیش نظر ہنٹر نے ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' لکھی۔ جس میں اس نے جہاد کو نہایت ہی بھیانک اور مکروہ صورت میں پیش کیا۔ ہنٹر نے جہاد کو جنونی مسلمانوں کا پاگل پن قرار دیا۔

اس وقت کے علماء حق پر لازم تھا کہ وہ اس موضوع پر جہاد کی اصل صورت واضح کرتے۔ چنانچہ علماء حق میں سے ہی مولانا محمد حسین بٹالوی نے ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' میں نہایت ہی عالمانہ انداز میں جہاد کی فضیلت اور اس کے مسائل پیش کئے۔ یہ بتایا کہ جہاد کب اور کن حالات

میں جائز ہے اور یہ کہ جہاد کا مقصد کیا ہے، لیکن افسوس کہ محمد ایوب قادری اس بات کو سمجھ نہ سکے۔

طوالت کی وجہ سے صرف یہ عرض ہے کہ اعتراض کرنے سے پہلے ''اپنوں'' کو دیکھئے کہ کن کن ''بڑوں'' نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، کن کن ''بزرگوں'' نے فریضہ حج کو ساقط کہا، کن کن ''پاسبان دین'' نے جہاد کو ناجائز قرار دیا، کن کن ''اکابرین ملت'' نے انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی وہ کون تھے جو انگریزوں کے نورنظر رہے، تاریخ میں سب کچھ محفوظ ہے۔

فرصت ملے تو اپنا گریباں بھی دیکھ لے
اے دوست یوں نہ کھیل میری بے بسی کے ساتھ

﴿۲۱﴾ دارالعلوم دیوبند ہندوستان کا پہلا جامع تعلیمی ادارہ ہے

مولانا سید محمد میاں صاحب دارالعلوم دیوبند کی تعریف میں رطب اللسان ہوکر حقیقت سے آنکھیں بند کئے کیا کچھ فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''ایک عجب کرشمہ ہے کہ ان مدارس میں دارالعلوم (دیوبند) نے مرکزیت کی شان حاصل کرلی اور واقعہ تو یہ ہے کہ وہ عظمت حاصل کی جس کی نظیر سے مسلمانوں کی تاریخ خالی ہے۔''

''بے شک ہندوستان میں گیارہ سو برس مسلمانوں کی شاندار حکومت قائم رہی مگر کیا کوئی درس گاہ ملتی ہے جس میں اس اہتمام کے ساتھ حدیث وتفسیر کی تعلیم ہوتی ہے۔ بے شک مدارس لاکھوں تھے چپہ چپہ پر اسکول تھا۔ مگر افسوس ہندوستان کے طول وعرض میں دارالحدیث یا دارالتفسیر ایک بھی نہ تھا۔ ہاں بے شک مصر و بغداد میں بڑی بڑی درسگاہیں قائم ہوئیں جامع اظہر (ازہر) آج بھی اپنی جامعیت میں شہرۂ آفاق ہے۔ لیکن ان تمام کا قیام وبقا حکومت کے خزانوں پر تھا۔'' (علمائے حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے: ۵۱۔۵۲ طبع رحیم یارخان) (۱)۔

(۱) ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب لکھتے ہیں (علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ: ۱۳۰ طبع ۱۹۷۷ء) کہ ''یہ بات قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم (دیوبند) اور مظاہر العلوم کے قیام سے ہند میں حدیث کی تعلیم واشاعت کے ترقی پذیر دور جدید کا آغاز ہوگیا۔ اب تک اسلامی ہند میں کوئی ایسا مرکزی ادارہ نہ تھا جہاں علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی اس لئے

جواب:

دارالعلوم دیوبند سے پہلے کتنے ہی دارالحدیث ودارالتفسیر ہندوستان میں اہل حدیث کے موجود تھے۔مولانا بشیر احمد فرماتے ہیں کہ:

''پنجابی کٹرہ جسے حکومت دلی نے ریلوے سٹیشن پر قربان کیا اور آج اس کا نام ونشان نہیں میرے آباواجداد کا مسکن تھا اور پنجابی کٹرہ کی مسجد میں مولانا عبدالخالق حدیث کا درس دیا کرتے تھے، جو میرے جدامجد تھے۔ یہ مسجد دلربا سنگ سرخ کی نہایت خوش وضع اور خوب صورت تھی۔اس میں مولانا عبدالخالق کے بعد شیخ الکل مولانا نذیر حسین نے درس دینا شروع کیا۔مسجد کے لئے مکانات اور ایک حوض بھی تھا[1]۔''

(اس عظیم درس گاہ کو ریلوے اسٹیشن بنانے کی غرض سے صرف اس وجہ سے قربان کردیا گیا کہ یہ ''وہابیوں'' کی درس گاہ تھی۔جنہیں فرنگی سامراج کے افکار ونظریات سے کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ ہی ان کی دولت سے کچھ سروکار۔سوال یہ ہے کہ کیا دہلی جیسے عظیم شہر میں ریلوے اسٹیشن بنانے کے لئے کوئی اور جگہ نہ تھی؟

مولانا محمد میاں صاحب ''جامعیت'' اور ''مرکزیت'' کی بات کرتے ہیں۔شیخ الکل امام

= ہندی طلباء اس علم میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کے لئے حجاز جایا کرتے تھے۔لیکن ان دو بڑے اداروں نے ہندی مسلمانوں کی ایک ایسی ضرورت پوری کردی جو بہت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی اور تحصیل علم حدیث کے معاملے میں وہ خود مکتفی ہوگئے۔'' موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور سے قبل علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم کا مرکز ہندوستان میں نہ تھا اور طلباء حجاز کا رخ کیا کرتے تھے۔جب کہ وہ یہ بھول گئے کہ شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی درس گاہ کی طرف تمام بلاد اسلامیہ نے رخ کیا اور علماء حجاز تک نے آپ کے دبستان علم کی خوشہ چینی منظور فرمائی اور شیخ الکل محدث دہلوی کے بعد بھی ان کے تلامذہ شمس المحدثین علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق محدث ڈیانوی، استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی اور مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی علماء عرب وحجاز اور دیگر بلاد اسلامیہ کے مرجع خلایق رہے۔(محمد تنزیل)۔

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی:۲/۴۷۴،اختلاف امت کا المیہ:۷۷،طبع دوم۔

العلماء سید نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے مدرسے کی ''جامعیت'' اور ''مرکزیت'' ـــــ جس مدرسے سے بھی عارف باللہ مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی مصنف تفسیر محمدی، شمس المحدثین علامہ شمس الحق محدث ڈیانوی، مولانا حافظ ابومحمد ابراہیم آروی بانی مدرسہ احمدیہ آرا، استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری، شرف العلماء مولانا عبدالجبار غزنوی، شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی، علامہ محمد بشیر سہسوانی مصنف صیانۃ الانسان، علامہ سید امیر حسین سہسوانی مصنف براہین اثناء عشر، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی صاحب حسن البیان، فاتح قادیان علامہ ثناء اللہ امرتسری، مترجم شہیر علامہ سید امیر علی ملیح آبادی، علامہ شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی، علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی، علامہ عبدالسلام مبارکپوری مؤلف سیرۃ البخاری، زبدۃ العلماء شاہ عین الحق پھلواروی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے کامل الفن علماء نکلے ہوں۔ جس کے حلقہ درس نے دنیائے علم وفن میں اپنی کاملیت کا ڈنکا بجار کھا ہو، اس مدرسے کی ''جامعیت'' اور ''مرکزیت'' سے کسے انکار ہوگا ـــ یہ حقیقت ہے کہ حدیث وتفسیر کی جو خدمات تن تنہا شیخ الکل سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دی وہ دیوبند، سہارنپور، مرادآباد، تھانہ بھون وغیرہ کے علماء مل کر بھی انجام نہ دے سکے)۔

مدرسہ دیوبند کی بنیاد مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقائے کار نے ۱۵رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۶راپریل ۱۸۶۵ء میں رکھی۔ جب کہ دہلی میں اہل حدیثوں کا دوسرا بڑا مدرسہ ''بزم روشن الدولہ'' کی مسجد واقع قاضی واڑہ میں تھا۔ مولانا شاہ محمد مخصوص اللہ دہلوی (جن کا انتقال ۱۲۷۳ھ کو دارالعلوم دیوبند کی بنیاد سے دس سال قبل ہوا تھا) اس کے مہتمم اور ناظم تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ جب کہ شاہ محمد حسین تموہیاں عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۳۰ء میں ''مدینۃ العلم'' تموہیاں میں درس دیا کرتے تھے۔ شیخ الکل سید نذیر حسین نے یہیں ۱۸۲۱ء میں مشکوۃ اور قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا تھا۔ مولانا

فضل حسین مظفر پوری لکھتے ہیں کہ:

''صوبہ بہار کا مدینۃ العلم اس وقت سمجھا جاتا تھا عظیم آباد پٹنہ اور طلبہ کی بھاگ دوڑ وہیں تک محدود تھی، دونوں آدمی (سید نذیر حسین اور مولانا امداد علی سورج گڑھی) ۱۲۳۷ھ بمطابق ۱۸۲۱ء میں موضع بلتھوا سے بھاگ کر پٹنہ صادق پور پہنچے اور محلّہ نمو ہیاں میں شاہ محمد حسین صاحب مرحوم کے مکان پر ٹھہرے یہاں اکثر طلبا کی جاگیریں بھی تھیں اور نو وارد طلبہ کے لئے جاگیروں کا بندوبست فوراً کر دیا جاتا تھا اور درس دیا جاتا تھا۔ میاں صاحب تقریباً چھ مہینے یہاں ٹھہرے اور غالباً ترجمہ قرآن اور مشکوۃ پڑھا[1]۔''

ان سب باتوں سے یہ آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے قبل ہندوستان میں اہل حدیثوں کے کتنے ہی مدارس معرض وجود میں آچکے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کا بڑا چرچا ہے، اس کی شہرت کو چار چاند لگائے جاتے ہیں۔ ذرا اس دارالعلوم کے بارے میں چند اقتباس پڑھ لینا خالی از دلچسپی نہیں، اس دارالعلوم کی بنیاد رکھنے والوں میں کون کون شریک تھے۔ چنانچہ:

''(مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے۔ جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی[2]۔''

بقول پروفیسر محمد ایوب قادری کہ:

''مولانا احمد حسن، مولوی محمد مظہر اور مولوی محمد منیر تو بنارس کالج آگرہ کالج اور بریلی کالج میں ملازم ہوئے اور مولوی ذوالفقار علی، مولوی فضل الرحمٰن اور مولوی محمد

---

(۱) الحیاۃ بعد المماۃ: ۲۵۔

(۲) سوانح قاسمی (حاشیہ): ۲/۲۴۷، حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی: ۹۴۔

یعقوب نانوتوی محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر بھی رہے[۱]۔"

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبان نے کن سے تحصیل علم کیا ذرا ان کے بارے میں پڑھتے چلیئے۔ مولانا محمد میاں صاحب کو بھی اعتراف ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"ان دونوں بزرگوں نے درس کی اکثر کتب درسیہ حضرت مولانا مملوک العلی صاحب سے پڑھیں جو اس مدرسہ کے مدرس تھے جس کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی جانب سے علوم عربیہ ودینیہ کی تعلیم کے لئے اس واسطے قائم کیا گیا تھا کہ نیم غلام مسلمانوں کے سامنے علم دوستی اور مذہب پروری کا مظاہرہ کر کے ان کو پورا غلام بنالیا جائے[۲]۔"

دارالعلوم دیوبند کے اغراض ومقاصد کیا تھے مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ:

"ایسے چھوٹے چھوٹے رسائل بکثرت مفت شائع کرنا جن میں عقائد اسلام کی تعلیم، فرقہ آریہ کے جوابات اور وفاداری گورنمنٹ کی ہدایات ہوں[۳]۔"

یہی وجہ ہے کہ مولانا غلام دستگیر افغانی فرماتے ہیں کہ:

"برصغیر کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور دارالعلوم دیوبند کو حکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی[۴]۔"

۳۱ رجنوری ۱۸۷۶ء کو لیفٹیننٹ گورنر کے خفیہ معتمد مسٹر پامر نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی موجودگی میں مدرسے کا دورہ کیا اس کے خیال میں:

"جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں

---

(۱) مولانا محمد احسن نانوتوی: ۲۶، حیات الشیخ السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی: ۹۴۔

(۲) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ۶۸۔۶۹ طبع رحیم یار خان۔

(۳) تذکرہ شیخ الہند: ۱۷۲۔

(۴) روزنامہ "جنگ" ۲۴ رجنوری ۱۹۸۳ء: ۲ رحیات الشیخ السید میاں نذیر حسین دہلوی: ۹۴

کوڑیوں میں ہورہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کررہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے[۴]۔"

قارئین کو علماء دیوبند اور انگریز سرکار کے تعلقات کا بھی بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔ دارالعلوم دیوبند ایک ادارہ تو ہوسکتا ہے لیکن کوئی اسلامی درس گاہ نہیں۔

---

(۴) مولانا محمد احسن نانوتوی: ۲۱۷، حیات الشیخ میاں نذیر حسین محدث دہلوی: ۹۴، ۹۵، باطل اپنے آئینے میں: ۱۶۷۔

﴿۲۲﴾ مرزا غلام احمد قادیانی مسلکاً غیر مقلد (اہل حدیث) تھا

جناب عبدالحق صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے ''فتوی امام ربانی'' لکھتے ہیں کہ:

''مرزا (غلام احمد قادیانی) صاحب مسلکاً غیرِ مقلد (اہل حدیث) تھے اور اس کے لئے بیسیوں شواہد موجود ہیں۔'' (فتویٰ امام ربانی: ۲۴)۔

جواب:

موصوف نے اس کی کوئی دلیل نہیں دی اس قسم کی چھیڑ خانی سے کیا حاصل۔ لکھنے سے پہلے قادیانیوں کی کتاب کا مطالعہ ہی کر لیتے۔ خود مرزا کی زبانی سنیئے۔

''ہمارا مذہب وہابیوں کے خلاف ہے، ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت (قباحت) ہے کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے[۱]۔''

مرزا مزید لکھتا ہے کہ:

''ہمارے ہاں جو آتا ہے اسے پہلے حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے میرے خیال میں یہ چاروں مذاہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری[۲]۔''

مرزا غلام احمد قادیانی کا کہنا ہے کہ:

---

(۱) ملفوظات مرزا غلام احمد قادیانی: ۲/۳۴۳۔

(۲) ملفوظات مرزا غلام احمد قادیانی: ۲/۳۴۳۔

''ہم اہل حدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جب کہ یہ رسمی محدثین کا طریقہ ہے[۱]۔''

حکیم نور الدین صاحب کی سنئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے اور اسی طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے تھے[۲]۔''

مولوی محمد علی لاہوری لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مرزا صاحب ابتداء سے لے کر آخری زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے[۳]۔''

مرزا صاحب کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں کہ:

''اصولاً آپ ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے اور آپ نے اپنے لئے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرماتا[۴]۔''

ایک حنفی عالم نے قادیانیت کے خلاف ایک کتاب لکھی جس میں یہ اعتراض کیا کہ آپ (مرزا صاحب) فقہ کو نہیں مانتے ہیں۔ اس کا جواب ایک مرزائی عالم نے دیا کہ:

''ہم فقہ کو بھی مانتے ہیں اور فقہاء عظام کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کے اجتہاد اور تفقہ کی قدر کرتے ہیں ہم بالخصوص حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں۔ اسی کی ہدایت ہمارے مرزا صاحب نے فرمائی ہے[۵]۔''

مولانا محمد حسین بٹالوی نئے نئے پڑھ کر بٹالہ آئے تو چونکہ اہل حدیث تھے اس لئے حنفیوں کو

---

(۱) مسیح موعود حکم کا ریویو: ۶۔

(۲) ملفوظات نور: ۱/۵۴۔

(۳) تحریک احمدیت: ۱۱۔

(۴) سیرۃ المہدی: ۲/۴۹۔

(۵) مجدد زماں بجواب دو نبی: ۷ ۲۱ ہفت روزہ الاعتصام (لاہور) ۳۰ رجنوری ۱۹۸۷ء۔

ان کے خیالات گراں گذرے بعض اختلافی مسائل پر بحث کرنے کے لئے حنفیوں نے مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا اوران کا ایک نمائندہ مرزا کو قادیاں سے لے کر آیا تا کہ مولانا بٹالوی سے مناظرہ ہو سکے وہ بطور متفقہ نمائندہ احناف تشریف لائے[۱]۔''

عبدالحق بھول رہے ہیں کہ حنفی مرزا کو حنفی ہی تسلیم کرتے ہیں۔ایک کتاب لکھی گئی ہے۔جو ایک حنفی عالم نے لکھی ہے''سیف چشتیائی''۔اس کے پیش لفظ میں اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ ''مرزا آبائی طور سے حنفی تھا[۲]۔''

پھر خود عبدالحق صاحب ہی بڑے کرب کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت کے بے چارے حنفی بھی مرزا کو حنفی قرار دیتے تھے[۳]۔''

جناب عبدالحق صاحب کو میرا مشورہ ہے کہ وہ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی قادیانیوں سے متعلق تصانیف بغور پڑھیں۔انشاءاللہ تشفی ہو جائے گی کہ اہل حدیثوں نے کس طرح قادیانیوں کا تعاقب کیا ہے اور یہ کہ مرزا کو سب سے پہلے اہل حدیث نے ہی کافر گردانا ہے۔آخر میں گذارش ہے کہ عبدالحق صاحب اپنی توانائی ملت کے اتحاد میں صرف کریں۔ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

---

(۱) سیرۃ المہدی:۹۱/۲،تاریخ احمدیت:۱۵۲/۱،فتویٰ امام ربانی:۳۴،علماء دیوبند کا ماضی:۴۱۔

(۲) سیف چشتیائی:ث۔

(۳) فتویٰ امام ربانی:۳۵۔

﴿۲۳﴾ مولانا محمد حسین بٹالوی نے اپنی جماعت (اہل حدیث) کی جانب سے یہ اعلان کیا کہ ہماری جماعت مرزا قادیانی کو کافر نہیں سمجھتی ہے

جناب عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ:

''مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی تمام جماعت کی طرف سے یہ اعلان کر دیا کہ ہماری جماعت غیر مقلدین (اہل حدیث) مرزا قادیانی کو کافر نہیں سمجھتی۔'' (فتویٰ امام ربانی:۵۴)۔

جواب: ☆

''فتویٰ امام ربانی'' نامی پوری کتاب جھوٹ کا پلندہ ہے۔ قادیانیوں کو سب سے پہلے کافر کہنے والے اور قرار دینے والے مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالویؒ ہیں خود مرزا کہتا ہے کہ:

''محمد حسین بٹالوی نے مجھے سب سے پہلے کافر قرار دیا[1]۔''

ایک اور جگہ پر یوں گویا ہوتا ہے:

''سب سے پہلے استفتاء کا کاغذ ہاتھ میں لے کر ہر ایک طرف ہی بٹالوی صاحب دوڑے چنانچہ سب سے پہلے کافر اور مرتد ٹھہرانے میں جہاں نذیر حسین دہلوی نے

☆ از قلم محمد تنزیل۔

(۱) انجام آتھم:۲۱۲۔

قلم اٹھائی اور بٹالوی صاحب کے استفتاء کو اپنی کفری شہادت سے مزین کیا اور میاں نذیر حسین نے جو اس عاجز کو بلا توقف و تامل کافر ٹھہرایا[۱]۔"

مولانا محمد حسین بٹالوی نے کبھی بھی قادیانیوں کو مسلمان نہیں سمجھا اور نہ ہی اہل حدیث قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مولانا رفیق دلاوری حنفی مولانا محمد حسین بٹالوی کی تکفیر قادیانیت سے متعلق خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"مولانا بٹالوی نے قبول مرزائیت سے اعراض کیا بلکہ الٹا آخری وقت تک مرزائیت کے جسم پر چرکے لگاتے رہے اور مرزا کے سینے پر مونگ دلتے رہے تردید مرزائیت تو مولانا بٹالوی صاحب کا دن رات کا مشغلہ تھا[۲]۔"

مولانا بٹالوی نے نہ صرف علماء اہل حدیث بلکہ علماء اسلام کی طرف سے قادیانیوں کو کافر قرار دلوایا۔ انہوں نے امام العصر شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے فتویٰ تکفیر قادیانی پر تمام مکتبہ فکر کے علماء سے تائید حاصل کئے اور شائع کروایا[۳]۔

مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس میں مرزا قادیانی کے کفرانہ عقائد بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر کئے ہیں جس کا شیخ الکلؒ نے بڑی تفصیل سے جواب دیا۔ چنانچہ ایک مقام پر شیخ الکلؒ لکھتے ہیں کہ:

"ان عقائد و معاملات اور اس طریق عملی میں مرزا قادیانی پابندیٔ اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت سے خارج ہے کیونکہ یہ عقائد و مقالات یونانی فلاسفہ کے ہیں۔ بعض ہندو پیروان وید کے بعض نیچریوں کے بعض نصاریٰ کے بعض اہل بدعت

---

(۱) آئینہ کمالات اسلام: ۳۱۔

(۲) رئیس قادیاں: ۲/ ۱۳۳۔

(۳) دارالدعوۃ السلفیہ لاہور نے اس نایاب فتویٰ کو ۱۹۸۶ء میں اعلیٰ طباعت سے مزین کر کے شائع کروایا ہے جس کے لئے یہ ادارہ مستحق تعریف ہے۔

وضلالت کے اور اس کا طریق عملی ملحدین باطنیہ وغیرہ اہل ضلال کا طریق ہے اور اس کے دعوائے نبوت اور اشاعت کاذیب اور اس ملحدانہ طریق کی نظر سے یقیناً اس کو ان تیس دجالوں میں سے جن کی خبر حدیث میں وارد ہے ایک دجال کہہ سکتے ہیں اور اس کے پیروان وہم مشربوں کو ذریات دجال[۱]۔''

شیخ الکلؒ کے فتوے کی تائید وتوثیق نہ صرف علماء اہل حدیث بلکہ علماء احناف وعلماء اہل تشیع نے بھی کی۔ بعض مشاہیر واکابرین علماء اہل حدیث کے آراء مختصراً نقل کئے جاتے ہیں۔ عالم جلیل القدر مولانا محمد اسماعیل علی گڈھیؒ لکھتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ کافر ہے بدکردار شریعت محمدیہ کا مخالف، اس کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ خدا اس کا منھ کالا کرے[۲]۔''

استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ محدث غازی پوریؒ لکھتے ہیں کہ:

''میری رائے میں وہ ضرور ان عقائد ومقالات کی نظر سے دجال وکذاب ہے اور پابندی اسلام واہل سنت سے خارج ہے[۳]۔''

الشیخ الفاضل علامہ محمد بشیر سہسوانیؒ لکھتے ہیں کہ:

''مرزا قادیانی ان عقائد ومقالات کی نظر سے مانند جودیہ وغیرہ اہل بدعت کے دجالین کذابین میں داخل ہے اور مرزا کے ان عقائد ومقالات میں پیروان وہم مشربوں کو ذریات دجال کہہ سکتے ہیں اور ایسے عقائد ومقالات کے ساتھ کوئی شخص شرعاً اور عقلاً ولی اور ملہم ومحدث ومجدد نہیں ہوسکتا[۴]۔''

---

(۱) پاک وہند کے علماء اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ: ۴۵۔۴۶۔

(۲) کتاب مذکور: ۹۳۔

(۳) کتاب مذکور: ۹۶۔

(۴) کتاب مذکور: ۹۹۔

امام العصر علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری لکھتے ہیں کہ:

''کذاب دجال مرزا قادیانی کا طریق گمراہیوں کا طریق ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جو اس کے گمراہ ہونے میں شک کرے وہ ویسا ہی گمراہ ہے[1]۔''

شرف العلماء مولانا سید عبدالجبار غزنوی لکھتے ہیں کہ:

''ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنا بالاتفاق کفر ہے۔اس (قادیانی) کے چوزے (اتباع) یہود اور نصاریٰ کے مخنث ہیں۔بہتیرے ان میں ایسے ہیں کہ خدا نے ان کو باوجود عالم ہونے کے گمراہ کر رکھا ہے[2]۔''

شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادیؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس کا طریق اہل الحاد وفساد کا طریق ہے اور اس کا مذہب کجی اور عناد والوں کا مذہب ہے۔وہ ان دجالوں میں سے (جن کے آنے کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے) ایک دجال ہے[3]۔''

شمس المحدثین علامہ شمس الحق محدث ڈیانوی صاحب عون المعبودؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس میں شک نہیں کہ قادیانی نے مذہب الحاد اختیار کیا ہے اور نصوص کتاب وسنت کو اپنی جگہ سے پھیرا ہے اور وہ باتیں بولا ہے جس پر کوئی مسلمان بجز اقوام غیر جرأت نہیں کر سکتا۔خدا اس کے شر اور وساوس اور جادو سے مسلمان کو بچائے[4]۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء اہل حدیث مرزا قادیانی کو بالاتفاق کافر قرار دیتے تھے مولانا محمد حسین بٹالوی نے شیخ الکل کے فتوے کو بمع تائیدات علماء کے شائع کروایا جس کا نتیجہ کیا

---

(۱) کتاب مذکور:۱۰۰۔

(۲) کتاب مذکور:۱۰۳۔

(۳) کتاب مذکور:۱۴۷۔

(۴) کتاب مذکور:۱۵۸۔

نکالا۔ آیئے مرزا قادیانی کی زبانی سنیئے:

''حضرت میاں صاحب نے میری باتوں کی طرف کچھ بھی التفات نہ کی اور بغیر اس کہ کچھ تحقیق اور تفتیش کرتے مجھے کافر ٹھہرایا بلکہ میری طرف سے انا مومن انا مومن کے صاف اقرارات بھی سن کر بھی لست مومنا کہہ دیا اور جابجا اپنی تحریروں اور تقریروں اور اپنے شاگردوں کے اشتہارات میں اس عاجز کا نام کافر و بے دین اور دجال رکھا اور عام طور پر مشتہر کر دیا کہ یہ شخص کافر و بے ایمان اور خدا اور رسول سے روگرداں ہے۔ سو میاں صاحب کی اس پھونک سے عوام الناس میں ایک سخت آندھی پیدا ہوگئی اور ہندوستان اور پنجاب کے لوگ ایک سخت فتنہ میں پڑ گئے۔ خاص کر دہلی والے تو میاں صاحب کی اس فکر اندازی سے آگ ببولا بن گئے۔ شاید دہلی میں ساٹھ یا ستر ہزار کے قریب مسلمان ہوں گے لیکن ان میں سے واللہ اعلم شاذ و نادر کوئی ایسا فرد ہوگا جو اس عاجز کی نسبت گالیوں اور لعنتوں اور ٹھٹھوں کے کرنے یا سننے میں شریک نہ ہوا ہو۔ یہ تمام ذخیرہ میاں صاحب کے ہی اعمال نامہ سے متعلق ہے جس کو انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنی عاقبت کے لئے اکٹھا کیا۔ انہوں نے سچی گواہی کو پوشیدہ کر کے لاکھوں دلوں میں جما دیا کہ درحقیقت یہ شخص کافر اور لعنت کے لائق اور دین سے خارج ہے[1]۔'' ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مگر افسوس کہ جناب عبدالحق صاحب مولانا محمد حسین بٹالوی کی طرف سے فرضی اعلانات کرتے پھر رہے ہیں۔ اس طرح کی الزام تراشی سے کچھ فائدہ نہیں۔ آج عالم اسلام انتہائی خطرناک موڑ پر ہے اور اس وقت اتحاد و اتفاق ہی مسلمانوں کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ کاش کہ عبدالحق صاحب اس پر اپنی توانائی خرچ کریں۔ تاکہ دین و دنیا میں ان کا بھلا ہو۔

---

(۱) آسمانی فیصلہ:۴۔۵۔

﴿۲۴﴾ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی قادیانیوں کی طرف سے حوصلہ افزائی ہورہی تھی اور وہ قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے

یہی عبدالحق صاحب اپنی تصنیف ''فتویٰ امام ربانی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''قادیانیوں کی طرف سے مولانا ثناء اللہ کی کافی حوصلہ افزائی ہورہی تھی۔'' (فتویٰ امام ربانی: ۲۹)۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

''وہ (مولانا ثناء اللہ امرتسری) مرزائیوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔'' (فتویٰ امام ربانی: ۵۰)۔

جواب: ☆

مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مرزا قادیانی کی قربت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا امرتسری نے اپنی تمام عمر تردید قادیانیت میں گذار دی اور آج عبدالحق صاحب چند کتابیں پڑھ لینے کے بعد یہ کہہ رہے ہیں کہ مولانا امرتسری کی حوصلہ افزائی قادیانی کرتے تھے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا امرتسری نے مرزا کے مسلمان ہونے کی تردید کی اور ان کے کفر کو ثابت کیا۔ کتنے ہی مناظرے قادیانیوں سے کئے اور فتح یاب ہوئے۔ پھر مباہلہ کیا اور اس میں بھی کامیاب رہے۔ بھلا قادیانی ان کی حوصلہ افزائی کیوں کر کرنے لگے۔

☆ از قلم محمد تنزیل۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی اسلام دوستی سے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ ان کے حملے کو روکنے کے لئے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی(۱)۔''

تردید قادیانیت تو مولانا امرتسری کا خاص موضوع تھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سلسلے میں آپ نے بحیثیت مسلمان گراں قدر خدمات انجام دیں اور اپنے ہم عصروں سے بازی لے گئے۔ آغا عبدالکریم شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ:

''جن علماء اہل حدیث نے مرزا صاحب کو اور ان کے بعد قادیانی امت کو زیر کیا۔ ان میں مولانا محمد بشیر سہسوانی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی سرفہرست تھے لیکن جس شخص کو علماء اہل حدیث میں فاتح قادیاں کا لقب ملا وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے انہوں نے مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو لوہے کے چنے چبوائے۔ اپنی زندگی ان کے تعاقب میں گزار دی، ان کی بدولت قادیانی جماعت کا پھیلاؤ رک گیا(۲)۔''

مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنی تحقیق تردید قادیانیت سے متعلق خود فرماتے ہیں کہ:

''میں نے قادیانی مذہب کے متعلق کیا کیا محنت اور تحقیق کی ہے خود مرزا صاحب کے کسی مرید نے بھی نہ کی ہوگی بلکہ میں نے بھی کسی اور مذہب کے جانچ پڑتال کے لئے اتنی محنت نہ کی ہوگی(۳)۔''

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تردید قادیانیت کے سلسلے میں خدمات کا شہرہ پورے عالم اسلام

---

(۱) یاد رفتگاں: ۴۱۸۔
(۲) تحریک ختم نبوت: ۳۰۔
(۳) الہامات مرزا: ۳ر طبع ششم۔

میں تھا (مگر افسوس کہ جناب عبدالحق صاحب اس سے واقف نہیں) چنانچہ علامہ محمد جمیل مفتی حنابلہ دمشقی نے جب مولانا امرتسری کی تصنیف ''فیصلہ مرزا'' کو دیکھا تو فرمایا کہ:

''آپ نے یقیناً ملحد و مرتد غلام احمد قادیانی سے اور اس کے بعد اس کی جماعت سے زبردست جہاد کیا ہے اور اسلام کی طرف سے مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے[1]۔''

مولانا ثناء اللہ امرتسری قادیانیت کی تردید کرتے رہے اور مرزا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ بالآخر مرزا نے ایک خط میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کو لکھا جو کہ درج ذیل ہے۔

''مولانا ثناء اللہ صاحب سے آخری فیصلہ''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد ونصلی علی رسوله الکریم یستنبونک احق هو قل ای وربی انه الحق۔

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب!

سلام علی من اتبع الهدی مدت سے آپ کے پرچے اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے پرچے میں مردود وکذاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری بہت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری، کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ سراسر افتراء ہے میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا ہے اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر رکھ کر دنیا کو میری طرف سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد

(۱) ہفت روزہ ''اہل حدیث'' (امرتسر) ۱۰؍جون ۱۹۳۲ء۔

کرتے ہیں "تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہوجاؤں گا۔" کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفتری کذاب کی عمر بہت نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حیرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہلاک ہوجاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تا کہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ آپ سنت اللہ کے مطابق مکذبین کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے پس وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں نہ وارد ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک نصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے اور جو میرے دل کے حالات کو جانتا ہے اور اگر یہ دعویٰ مسیح مدعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترٰی ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت (اہل حدیث) کو خوش کردے۔ آمین مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں اس کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون اور ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ کے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے اوپر گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو فرضِ منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھ کو دکھ دیتا ہے آمین رب العالمین میں ان کے ہاتھ سے

بہت ستایا گیا ہوں اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ اس کی بدزبانی حد سے گزر گئی مجھ کو ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بدتر مانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت **لاتقف مالیس لک به علم** پر عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ، دکاندار کذاب اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر اثر بد نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ اپنی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اور اس لئے میں تیری ہی تقدیس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر آمین ثم آمین۔ **ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين، آمین۔**

بالآخر مولانا سے التماس ہے کہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے۔

الراقم عبداللہ الاحد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایدہ مرقوم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء[1]۔"

گو کہ مرزا کی کبھی کوئی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی، لیکن اس رب العزت نے مرزا کی اس دعا کو بطور خاص قبولیت کے مراحل سے گذارا۔ چنانچہ وہ اپنی اس تحریر کے صرف ایک سال بعد ہی

(۱) الخبر الصحيح عن قبر المسيح: ۲۴، علمائے دیوبند کا ماضی: ۳۵۔۳۸۔

واصل جہنم ہوا جبکہ مولانا امرتسری کی وفات اس تحریر کے اکتالیس سال بعد ہوئی۔

کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی قادیانیوں کی طرف سے حوصلہ افزائی ہورہی تھی اور یہ کہ مولانا امرتسری قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ یہ جناب عبدالحق صاحب کے ذہن کا افترا ہے، موصوف کے الزام کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری قادیانیوں کے سخت مخالف تھے مولانا عبداللہ خانپوری کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ مولانا امرتسری سے پوچھا کہ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ مرزا کو کافر نہیں کہتے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا:

''میں مرزا صاحب کو کافر کہنا کفر کی توہین سمجھتا ہوں وہ کافروں سے ہزار درجہ بدتر ہے[1]۔''

فاتح قادیاں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے قادیانیت کی تردید میں کل ۳۶ کتابیں تصنیف کیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) الہامات مرزا مع آئینہ حق نما۔ (۲) ہفوات مرزا۔ (۳) صحیفہ محبوبیہ۔ (۴) فاتح قادیان۔ (۵) آفتہ اللہ۔ (۶) فتح ربانی در مباحثہ قادیانی۔ (۷) عقائد مرزا۔ (۸) مرقع قادیانی۔ (۹) چیستان مرزا۔ (۱۰) زار قادیانی۔ (۱۱) فسخ نکاح مرزائیاں۔ (۱۲) تاریخ مرزا۔ (۱۳) نکاح مرزا۔ (۱۴) عجائبات مرزا۔ (۱۵) شاہ انگلستان اور مرزا قادیان۔ (۱۶) قادیانی مباحثہ دکن۔ (۱۷) نکات مرزا۔ (۱۸) شہادت مرزا ملقب عشرہ مرزائیہ۔ (۱۹) ہندوستان کے دو ریفارمر (مرزا قادیانی اور سوامی دیانند)۔ (۲۰) محمد قادیانی۔ (۲۱) مراق مرزا۔ (۲۲) تعلیمات مرزا۔ (۲۳) فیصلہ مرزا۔ (۲۴) تفسیر نویسی کا چیلنج اور مرزا۔ (۲۵) علم کلام اور مرزا۔ (۲۶) عشرہ کاملہ۔ (۲۷) بہاء اللہ اور مرزا۔ (۲۸) اباطیل مرزا۔ (۲۹) تحفہ احمدیہ۔ (۳۰) مکالمہ احمدیہ۔ (۳۱) بطش تدبیر برقادیانی تفسیر کبیر۔ (۳۲) لیکھرام اور مرزا۔

---

(۱) سیرت ثنائی: ۲۷۱۔

(۳۳)، قابل مصنف مرزا۔ (۳۴)محمود مصلح موعود۔ (۳۵)رسائل اعجازیہ۔ (۳۶)تحفہ مرزائیہ۔

کیا اس کے بعد بھی مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مرزا قادیانی میں مفاہمت کی گنجائش رہتی ہے؟ جناب عبدالحق صاحب سے گزارش ہے کہ وہ قادیانیت کے رد میں لکھی گئی مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تصانیف کا بغور مطالعہ کریں۔

مخالفین ومعاندین سے گزارشات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر مکتبہ فکر کے کچھ اپنے نظریات ہوتے ہیں اور کچھ دوسرے نظریات سے اخذ کیا جاتا ہے۔ ہر مکتبہ فکر کے خلاف دوسرے مکاتیب فکر مخالفت کا ایک محاذ قائم کرتے ہیں یہ محاذ اگر شائستگی اور ادب کے دائرے میں ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ ایسی قابل ستائش صورت حال کو آزادی رائے سے تعبیر کیا جائے گا۔ لیکن اگر صورتحال اس کے برعکس ہو، مخالفت کو نسل در نسل منتقل کیا جائے تو اسے کوئی بھی ذی عقل شخص امر مستحسن قرار نہیں دے سکتا۔

''اہل حدیث'' ایک مکتبہ فکر ہے، ایک نظریئے اور ایک اکیڈمی کا نام ہے۔ کوئی فرقہ نہیں۔ اسے فرقہ کہنے والے خواہ خود اہل حدیث ہی کیوں نہ ہوں، غلط ہیں۔ اہل حدیث کے خلاف مخالفت کا محاذ روز اول سے قائم ہے اور اس میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ در اضافہ ہو رہا ہے۔ ہر نیا فرقہ، ہر نیا مسلک، ہر نیا مکتبہ فکر ''اہل حدیث'' پر لعن طعن سے ہی اپنے ''کار خیر'' کا آغاز کر رہا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ پاکستان کے ملاؤں کو ''اہل حدیث'' سے کون سا بغض وعناد ہے۔ ''اہل حدیث'' اسے کیا گزند پہنچاتے ہیں، وہ کیوں ''اہل حدیث'' کے خلاف قائم گلستان نفرت کی آبیاری میں ہمہ وقت مصروف ہے، اسے ''قرآن وحدیث'' پر عمل کرنے والوں سے کیا تکلیف پہنچ رہی ہے۔ لیکن ہاں ——— میں سمجھ گیا کہ اس ملا کو جس کی روٹی کا گزارہ نذر نیاز پر چل رہا ہے اسے ''اہل حدیث'' سے کیا تکلیف پہنچ رہی ہے، اسے تکلیف ہے اگر یہ **''قال اللہ وقال الرسول''** کی صدائیں عوام الناس تک پہنچ گئیں تو اس بیچارے ملا کی روٹی روزی کا گزارہ مشکل

میں پڑ جائے گا، اگر ''کتاب وسنت'' کا شعور عوام الناس میں پیدا ہو گیا تو اس کے نذر و نیاز کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اگر لفظ توحید سے یہ سادہ دل بندے واقف ہو گئے تو جعلی پیر فقیروں کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا، اگر ''قرآن وحدیث'' کو مدار عمل ٹھہرانے کی رسم چل پڑی تو یہ مزار یہ میلے اٹھ جائیں گے۔ ہاں ہمارا املا ڈرتا ہے کہ کہیں وہ بھوکا نہ مارا جائے لیکن میں اسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ:

''ان بطش ربک لشدید''

''اہل حدیث'' کو تم شوخی میں ''وہابی'' کہتے ہو، کہا کرو۔ ظرافت میں ''غیر مقلد'' کہتے ہو، کہا کرو۔ کبھی کبھی گستاخی کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے ''کافر'' تک کہہ گذرتے ہو کہا کرو۔ لیکن سنو کہ سلطان المشائخ پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے نام کی تم گیارہویں اور نذر و نیاز کرتے ہو جن کا وظیفہ ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' (نقل کفر کفر نباشد) پڑھتے ہو وہ ''غنیۃ الطالبین'' میں کیا فرماتے ہیں:

> ''ان تمام باطل فرقوں کی یہ تہمتیں اہل حدیث پر محض افتراء ہیں۔ ہٹ دھرمی، تعصب اور بغض وحسد کی بناء پر یہ بہتان باندھتے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کا ایک نام کے سوا کوئی نام نہیں اور وہ اہل حدیث ہے یہ بدعتی ٹولے اہل حدیث کو خواہ کچھ کہیں اہل حدیث کا کچھ نہیں بگڑتا۔ جس طرح کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی نام مثل جادوگر، شاعر، مجنوں، کاہن گھڑ رکھے تھے اور ان کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔''

تم نے مخالفت کے جوش میں عوام الناس میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ''اہل حدیث'' کسی نبی کسی ولی کو نہیں مانتے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی عزت وتکریم نہیں کرتے، اہل بیت سے محبت نہیں رکھتے، اولیاء اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، یہ سب غلط ہے ''اہل حدیث'' انبیاء

کرام علیہم السلام کی اتباع میں سب سے بڑھ کر، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی عزت و تکریم میں سب سے آگے، اہل بیت کی محبت سے سرشار، اولیاء اللہ کی دل سے قدر کرنے والے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان مقدس ہستیوں کی ذات تو بہت بالاتر ہے اگر کوئی عام مسلمان کی محبت بھی دل میں نہ رکھے تو اس کے دل میں ایمان کی رمق موجود نہیں۔

ہاں یہ ہمارا متفقہ اصول ہے کہ ہم اپنے امام کائنات، رحمۃ اللعالمین، تاجدار کونین، رہبر کامل حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کی اتباع کے مقابلہ میں کسی کی اتباع نہیں کرتے، ہم ان کے قول کے مقابلہ میں کسی دوسرے امام کے قول کو قطعاً قابل اعتنا نہیں سمجھتے ''اہل حدیث'' کے پیشوا شاہ ابواسحاق محدث اعظم گڈھی کی یہ بات ہر اہل حدیث کی ترجمانی کے لئے کافی ہے کہ:

''جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر لی تو پھر مجھے (ابوحنیفہ) نعمان سفیان اور زہری کی کچھ پرواہ نہیں۔''

ولولہ توحید سے بھرپور اور اتباع سنت سے پر علامہ خرم علی بلہوری کی اس نظم سے ہر ''اہل حدیث'' کا دل سرشار ہے:

خدا فرما چکا قرآں کے اندر
مرے محتاج ہیں پیرو پیمبر

نہیں طاقت سوا میرے کسی میں
کہ کام آوے تمہاری بیکسی میں

جو خود محتاج ہووے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

خدا سے اور بزرگوں سے بھی کہنا
یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا

اگر قرآن کو سچ مانتے ہو
تو پھر منتیں کیوں مانتے ہو

وہ مالک ہے سب آگے اس کے لاچار
نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

خدا لعنت کرے اس روسیہ پہ
کہ جس کے دل میں ہو بغض پیمبر

جسے ہو بغض آل مصطفےٰ کا
خدا اس کو کرے دوزخ کا کندا

جسے اصحاب حضرت سے ہو انکار
رہے ہر دم خدا کی اس پہ پھٹکار

جسے کچھ بغض ہووئے اولیاء سے
ہمیشہ ابر لعنت اس پہ برسے

اب اتنا اور بھی سن لیجئے حضرت
جو حق پر نہ چلے اس پر بھی لعنت

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو
اب آگے چاہے تم مانو نہ مانو

ازطرف

محمد تنزیل

۱۸/اپریل ۱۹۹۸ء کراچی

علماء احناف سے گذارشات

ہمیں یہ محسوس کر کے دلی مسرت ہورہی ہے کہ اب ہمارے حنفی بھائیوں کے ذہنی اختراعات اورخواب میں نبی کریم ﷺ سے ہدایت لینے کے واقعات میں قدرے کمی آگئی ہے یا کم از کم اتنا ہی ضرور ہوا کہ اب ان واقعات کو تحریروں کے ذریعے خلعت دوام نہیں بخشا جاتا ہے۔

اب کوئی مرید اپنے پیرومرشد مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو "لا اله الا الله اشرف علی رسول الله" (نقل کفر کفر نباشد) والا خواب نہیں سناتا ہے اور نہ ہی پیرومرشد صاحب اس پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں (۱)۔

مقام شکر ہے کہ اب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اپنی دلہن کے روپ میں نہیں دیکھتے ہیں (۲)۔

اور لاکھ شکر ہے کہ اب مولانا احمد رضا صاحب بریلوی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو اپنے پیچھے نماز جنازہ پڑھانا (نعوذ باللہ) چھوڑ دیا ہے (۳)۔

اور اب کوئی مرید اپنے پیرومرشد مولانا اشرف علی تھانوی کی اہلیہ بننے کی خواہش بھی نہیں کرتا ہے اور نہ اس خواہش پر پیرومرشد خوش ہوکر ثواب دارین کا یقین دلاتے ہیں (۴)۔

اور اب تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی کی مرض وفات کے

---

(۱) الامداد ۸/صفر ۱۳۳۶ھ، نتائج التقلید۔

(۲) تذکرۃ الرشید: ۲/۲۸۹، طبع مکتبہ بحرالعلوم کراچی۔

(۳) ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی (حصہ دوم): ۱۴۲۔

(۴) اشرف السوانح: ۲/۲۸، باطل اپنے آئینے میں: ۱۷۳۔

وقت آنحضرت ﷺ ان کی پاسداری بھی نہیں کرتے ہیں[1]۔

یقیناً اب ان اختراعات و خرافات میں قدرے کمی آ گئی ہے اور حال میں جب جناب طاہر القادری نے دوبارہ ایک نئے انداز میں ان خرافات کو نیا جامہ پہنایا اور نبی کریم ﷺ سے ہدایت لینے کا سلسلہ شروع کیا تو قابل ستائش ہیں ہمارے بریلوی بھائی جنہوں نے اپنے ہم مسلک کی نہایت شدت سے مخالف کی۔

جہاں تک خوابوں میں رسول اللہ ﷺ سے ہدایت لینے کا تعلق ہے تو جو لوگ واقعتاً رسول پاک ﷺ سے نصیحت و ہدایت لیتے ہیں وہ اس نصیحت و ہدایت پر عمل کر کے دکھا دیتے ہیں اس کا خلایق میں ڈھنڈورا نہیں پیٹتے ہیں۔

بہر حال اب ہم ان دلی مسرتوں کے بعد اپنے حنفی بھائیوں سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے وہابی بھائیوں سے عوام الناس کو بدگمان کرنے کی روش ختم کریں۔ لوگوں کو یہ باور کرانا کہ مسلک اہل حدیث کا دوسرا نام ہی اولیا اللہ کی توہین ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے کہاں کا انصاف ہے۔ ہم حقیقی اولیا اللہ کی دل سے قدر کرتے ہیں مگر ہاں نام نہاد پیر فقیروں سے ہمیں کوئی لگاؤ نہیں۔ اب اگر یہ پوچھ جائے کہ ہمارے پاس اولیاء اللہ کو پہچاننے کا معیار کیا ہے۔ تو ہمارا اولیاء اللہ کو پہچاننے کا معیار صرف قرآن وحدیث ہے جو شخص بھی اتباع سنت اور عمل بالحدیث کی عملی تفسیر ہو وہ اللہ کا ولی ہے۔ ہمیں اس سے صدور کرامت کی خواہش بھی نہیں ہوتی ہے۔

مزید ایک گذارش بالخصوص بریلوی حضرات سے یہ ہے کہ براہِ مہربانی آپ حضرات اہل حدیث اور دیوبندی کو ایک ثابت کرنے کی سعی ناکام نہ کریں، اہل حدیث اور دیوبندی ایک نہیں ہیں، یہ درست ہے کہ دونوں کا سلسلہ حدیث ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے جا ملتا ہے، مگر سلسلہ سند حدیث ملنے سے عقائد و اعمال نہیں ملتے۔ مزید برآں یہ کہ دیوبندی حضرات کبھی بھی شاہ صاحبؒ کے طریقے پر قائم نہیں رہے اور ابھی حال ہی میں علماء دیوبند کے سرخیل مولانا انور شاہ کشمیری کے بیٹے دار العلوم دیوبند کے استاد تفسیر انظر شاہ کشمیری کے اس انکشاف کے بعد تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اہل حدیث اور دیوبندی ایک ہیں۔ وہ انکشاف ملاحظہ کیجئے:

''میرے نزدیک دیوبند خالص ولی اللہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ کی لگی بندھی

---

(۱) ماہنامہ ''البینات'' اگست ۱۹۷۵ء باطل اپنے آئینے میں: ۸۱۔

فکر دولت ومتاع ہے۔ میرا یقین ہے کہ اکابر دیو بند جن کی ابتداء میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ہے..... دیو بندیت کی ابتداء حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں (۱)۔''

ایک گزارش یہ بھی ہے کہ آپ (دیوبندی و بریلوی) حضرات اپنی زبان وتحریر میں ذرا لچک پیدا کریں، جہاں تک آپ کی بدگوئی کا تعلق ہے تو ہم اس کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں، ہمارے پاس آپ کی گالیوں اور فحش اشاروں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ہمیں برائی کا بدلہ بھی بھلائی سے دینے کا حکم ملا ہے۔ ہم تو بارگاہ ایزدی سے ملنے والے اس حکم کے پابند ہیں: ''**احسن کما احسن اللہ الیک**'' (سورۃ القصص:۷۷) (ترجمہ)''(لوگوں کے ساتھ) احسان کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔''

ہم تو ان لوگوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں جن کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا ''**والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس**'' (سورہ آل عمران:۱۳٤) ترجمہ:''(اچھے کرداروں کے لوگ) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔''

ہم تو امام کائنات ﷺ کے اس حکم پر عمل پیرا ہیں کہ ''نرمی اختیار کرو۔ درشتی اور بدکلامی سے دور رہو۔'' (صحیح مسلم)۔

امید ہے کہ آپ حضرات اب اپنے الفاظ کی درستی کا خیال کریں گے اور اخلاقی قدروں کو ملحوظ رکھیں گے۔

از طرف

محمد تنزیل

۲۲ر ستمبر ۱۹۹۷ء کراچی

(۱) ماہنامہ ''البلاغ'' مارچ ۱۹۶۵ء/۱۳۸۸ھ، اندھیرے سے اجالے تک:۱۳۔

علماء اہل حدیث سے گذارشات

مجھے پہچانو —— میں تمہارا ضمیر جگانے آیا ہوں —— میں کوئی غیر نہیں —— تمہارے اپنے دل کی آواز ہوں۔

میں نے ہمیشہ تمہیں عصر حاضر کی تباہ کاریوں کی طرف متوجہ کیا —— اور تم نے ہمیشہ میری آواز پر لبیک کہا —— مگر آج تم مجھے حقیر سمجھتے ہو۔

میں نے اعلائے کلمۃ الحق بلند کرنا چاہا، تم نے میری قوت گویائی سلب کر لی —— میں نے چیخنا چاہا، تم نے مجھے صحرا اور ریگستان میں لا چھوڑا —— میں نے سسکنا چاہا، تم نے اپنی سماعت پر پردے ڈال دیئے۔

ہاں میں وہی ہوں —— جو کبھی شاہ ولی اللہ بن کر صدائے حق دیتا ہوں اور کبھی شاہ اسماعیل بن کر دہلی کی جامع مسجد میں باطل سے ٹکراتا ہوں —— میں کبھی ولایت علی بن کر ستھانہ کی وادیوں میں علم جہاد کو تھامتا ہوں اور کبھی نذیر حسین بن کر دہلی میں مسند تدریس آراستہ کرتا ہوں —— کبھی صدیق حسن خاں بن کر اشاعت حدیث میں حصہ لیتا ہوں اور کبھی شمس الحق ڈیانوی بن کر محدثانہ شروحات سپرد قلم کرتا ہوں —— کبھی ابراہیم آروی بن کر اصلاح تدریس کرتا ہوں اور کبھی عبداللہ غازی پوری بن کر طلباء کے مجمع سے مخاطب ہوتا ہوں —— کبھی ثناء اللہ بن کر باطل کے دانت کھٹے کرتا ہوں اور کبھی ابوالکلام بن کر سوئے ہوؤں کو بیدار کرتا ہوں۔

ہمیشہ حق کی پاداش میں مجھے باطل سے نفرت ہی ملیں۔ اسی لئے میں کبھی عبداللہ غزنوی کی طرح جلاوطن کیا جاتا ہوں اور کبھی یحییٰ علی کی طرح کالا پانی بھیج دیا جاتا ہوں —— کبھی

عبدالرحیم صادق پوری کی طرح پابجولا کیا جاتا ہوں اور کبھی جعفر تھانیسری کی طرح زدوکوب کیا جاتا ہوں —— کبھی میری جائیداد ضبط کی جاتی ہے اور کبھی مجھے خلاوطن کیا جاتا ہے —— کبھی میرے گھروں کو مسمار کیا جاتا ہے اور کبھی میری قبروں کو اکھاڑا جاتا ہے۔

اب بھی نہیں پہچان سکے ہو تو جان لو کہ میں تاریخ اہل حدیث کا وہ زریں باب ہوں جو صرف تمہاری بے حسی کی وجہ سے مٹتا جا رہا ہوں —— میں تمہارا وہ سلف واکابر ہوں جس نے ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کا بلند کیا اور اس کی پاداش میں سزائیں تک جھیلیں —— میں محمد عربی ﷺ کا نام لیوا تمہارا وہ آباء ہوں جو اپنے اخلاف کی بے حسی پر آنسو بہا رہا ہوں اور تم ہو کہ میرے آنسو تک صاف نہیں کرتے ہو۔

یہ تھے ہمارے اسلاف —— بصد احترام ہر درد مند دل رکھنے والے علماء وعام اہل حدیث سے مخاطب ہوں، برائے مہربانی آپ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔ یہ علم وفن کی شاہراہ، دعوت وتبلیغ کے کٹھن راستے اور میدان جہاد کی پر پیچ گھاٹیاں ہماری ہی پہچان تھیں۔ مگر آج ہم اسے بھول چکے ہیں۔ آج کے اہل حدیث کے پاس اپنے ماضی پر فخر کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس کا حال، بے حال اور مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔

تھے وہ آباء ہی تمہارے تو مگر تم کیا ہو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

اگر ہماری بے حسی، بے خبری اور بد ذوقی کا یہی عالم رہا تو بہت جلد وہ دن آئے گا کہ عوام اہل حدیث قرآن وحدیث سے بہت دور ہو چکے ہوں گے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ:

ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک رب کی توحید کا ماننے والا ایک بھی ''وہابی'' زندہ ہو، تاجدار کونین رحمۃ للعالمین ﷺ کو اپنا راہنما وپیشوا سمجھنے والا ایک بھی

''اہل حدیث'' زندہ ہو ــــــ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس وقت ہماری زندگی ہماری موت سے بدتر ہوگی اور اس کی ذمہ داری بالخصوص علماء و بالعموم عام اہل حدیث پر عائد ہوتی ہے۔

میں عصر حاضر کے علماء اہل حدیث کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ جس قدر وسیع علم رکھتے ہیں روز قیامت ان سے اسی قدر حساب بھی ہوگا۔ آپ حضرات اقبال کا ملانہ بنیں انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں تو اس وراثت کا حق ادا کر کے دکھائیں ورنہ کائنات کے امام ﷺ سے اپنی نسبت بتانا ترک کریں قران و حدیث سے متعلق اپنی لن ترانیاں چھوڑ دیں۔ یہ کیا کہ آپ حضرات دعوی تو محبت کا کرتے ہیں لیکن محبت کا ثبوت دینے کے لئے تیار نہیں۔

وہ میری محبت میں تو تڑپتے ہیں مرے غصے سے تو ڈرتے ہیں
تنزیل، مگر وہ اصول محبت پر پورے نہیں اترتے ہیں

''اہل حدیث'' کا بنیادی مقصد ''اسلام'' کو خالص کر کے اسی حالت میں قائم رکھنا ہے جس حالت میں امام کائنات، تاجدار کونین، رہبر کامل، مخبر صادق، خاتم النبین، رحمت للعالمین، جناب محمد رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے۔ مگر افسوس کہ اب یہ جذبہ دلوں سے ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ''اہل حدیث'' کی بنیاد چار باتوں پر ہے توحید خالص، عمل بالحدیث، تبلیغ اور جہاد۔ اور اسلام کی بنیاد بھی انہی چار باتوں پر ہے۔ مگر صد حیف ہو کہ اب یہ ''کاملیت'' اور ''جامعیت'' ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کوئی توحید خالص اور عمل بالحدیث سے واقف ہے تو تبلیغ و جہاد سے نا آشنا، کوئی میدان جہاد کا شہ سوار ہے تو وہ راہ تبلیغ سے بیزار۔ ایسا کیوں ہے۔

دل صاحب ادراک سے انصاف طلب ہے

لیکن یاد رکھیئے کہ جب تک ہم میں یہ چار بنیادی خصوصیات نہ ہوں گی ہم وہ مقام حاصل نہیں کر سکیں گے جو ''اہل حدیث'' کا خاص طرہ امتیاز ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آپس کے اختلافات کو بھلا کر کامل یکجہتی کے ساتھ پیش رفت کریں، اس لئے کہ:

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہمیں اشاعت حق کا طویل سفر طے کرنا جس میں کوئی وقفہ نہیں آئے گا۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

آیئے ایک بار پھر ہم سب مل کر یہ شعر پڑھیں اور اسلام کی سربلندی کے لئے سرگرم ہو جائیں، اپنے مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہو جائیں۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

ازطرف

محمد تنزیل

۲۲ر ستمبر ۱۹۹۷ء کراچی

خاتمہ کتاب

یہ ناآشنائے علم وعمل، ناشناس مکتب ومسند ہرگز اس کا اہل نہ تھا کہ اپنے ''خامہ شکستہ'' کی سیاہیوں سے تاریخ کے صفحات میں کچھ نقوش ثبت کرتا، مگر اپنوں کی جفاؤں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنے والد گرامی کی اس نامکمل تصنیف کی تکمیل کروں، میں یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ وسیع علم رکھتا ہوں، فکر کی گہرائیوں اور خیالات کی بلندیوں کو چھو چکا ہوں، تجربات زندگی سے واقف ہوں ــــــ ہاں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ جس موضوع پر لکھا ہے اس سے متعلق بہت کچھ پڑھا ہے اور اس وقت مجھے انتہائی کرب کا احساس ہوتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ عوام الناس کو مسلک اہل حدیث سے متنفر کرنے کے لئے ''محقق'' تاریخ سازی اور ''اہل علم'' چرب زبانی پر اتر آتے ہیں، تقریر میں بدکلامی کا لامتناہی سلسلہ شروع کرتے ہیں اور تحریر میں قلمی شعبہ بازیاں دکھاتے ہیں۔ ایسا کرنے والے کوئی گمنام یا معمولی عالم دین نہیں ہوتے بلکہ بعض تو ماشاءاللہ خاصی شہرت کے مالک اور ہزاروں عقیدت مندوں کے پیش رو ہوتے ہیں۔

مولانا محمد میاں صاحب نے ''علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' لکھی تو اس میں ''علماء حق'' کہلانے کا ''حق'' صرف ''دارالعلوم دیوبند'' کے علماء تک محدود رکھا۔ اپنے ''شیخ الہند'' کی تعریف میں رطب اللسان ہوئے تو صفحے کے کے صفحے سیاہ کر ڈالے۔ آخر میں خود بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ''شیخ الہند'' کا وقت ''مالٹا'' میں اسیری کے دوران ''مالٹا'' کھا کر اور انگریزوں کی نظر عنایت میں رہتے ہوئے گذرا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''غالباً ستمبر یا اکتوبر ۱۹۱۷ء میں (گرفتاری کے چند ماہ بعد) ایک روز حضرت شیخ کو

آفس بلایا گیا۔ کمانڈار نے کہا کہ ہمارے پاس خاص طور سے آپ کے متعلق یہ حکم آیا ہے کہ آپ پوری طرح خاطر داری کریں۔ لہٰذا جو کپتان فوج کے حقوق اور مراعات ہوتے ہیں وہی آپ کے بھی ہوں گے۔ نیز آپ کو جن چیزوں کی شکایت ہو ان سے مطلع کریں (۱)۔"

ملاحظہ کیا آپ نے یہ عنایتیں، اب یہ حضرات دیوبند سے کون پوچھے کہ "کیا وجہ تھی کہ انگریزوں نے اپنے اتنے "سخت" اور کٹر دشمن" کو صرف (لگ بھگ) تین سال (۲۲رصفر ۱۳۳۵ھ تا ۲۲رجمادی الثانی ۱۳۳۸ھ) قید میں رکھ کر رہا کر دیا" —— مگر وہ پھر بھی "شیخ الہند"، "مجدد الوقت"، "آزادی کے مجاہد" کہلانے کے مستحق ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی جوانیاں "کالا پانی" میں صعوبتیں اٹھاتے ہوئے گذار دیں، جو ہنستے ہوئے تختہ دار پر چڑھ گئے جو مسکراتے ہوئے پوری زندگی کال کوٹھری میں گزار گئے —— وہ علماء حق کہلانے کے مستحق بھی نہیں۔

دل صاحب ادراک سے انصاف طلب ہے

مولانا عبیداللہ سندھی جو کہ "نیشنلزم" کا "نسخہ" ساتھ لائے۔ جن کی نظر میں "قرآن شریف" سمجھنا مشکل ہے مگر "نیشنلزم" کا نظریہ سمجھنا مشکل نہیں۔

ہمیں مولانا سندھی کی کوئی قومی خدمات نظر نہیں آتیں نہ ہی تاریخ کے صفحات ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ وہ علماء امت کو "چھری کانٹوں سے کھانے" اور "انگریزوں کی سی بودوباش" اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں مگر پھر بھی آنجناب ہماری "حکومت" کے تعلیمی نصاب میں "آزادی کے ہیرو" ہیں۔

محمد ایوب قادری، جن کی صبح وشام اہل حدیث علماء کے خلاف دلائل ڈھونڈنے میں گذرتے تھے اور جب دلائل نہیں ملتے تو بے جا تاویلات کے لامتناہی سلسلے میں جا کودتے ہیں

(۱) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ شیخ الاسلام۔

''تارخ'' جب ان کا ساتھ نہیں دیتی تو ''تاریخ سازی'' پر اتر آتے ہیں۔ بہر حال یہ محقق تھے اور جب تک ایسی ''تحقیقات'' پیش نہ کرتے انہیں ''محقق'' کون تسلیم کرتا۔

اے حضرات قارئین! یہی وہ اسباب ہیں جنہوں نے مجھے ذرا گستاخ بنا دیا ورنہ میں ان ''محترم المقام'' بزرگوں کی شان میں ذرا بے ادبی نہ کرتا، مگر جب دیکھتا ہوں کہ انہوں نے کس طرح بیدردی سے حقیقت کا خون کیا، کیسی دلیری سے ''افسانے'' کو تاریخ کا حصہ بنایا۔ تو:

جذبات مچل اٹھتے ہیں، ارمان سلگ جاتے ہیں
تم بھی تو ذرا دیکھو، کیسے لوگ بدل جاتے ہیں

میں پاکستان کی ''تعلیمی نصاب'' کے ''ناخداؤں'' سے دردمندانہ دل کے ساتھ یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے تعلیمی نصاب میں شاہ اسماعیل شہید کے لئے کوئی جگہ نہیں، علماء صادق پور کے لئے کوئی جگہ نہیں، علماء اہل حدیث کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ''تقویۃ الایمان''، ''صراط مستقیم''، ''معیار الحق''، ''اہل حدیث کا مذہب'' جیسی کتابوں کے اقتباس داخل نصاب کریں۔ بلکہ ہماری التجا تو صرف اتنی ہے کہ آپ ان علماء کی قومی خدمات کو منظر عام پر لائیں۔ ان کی قومی خدمات کے تذکرے کو تو داخل نصاب کریں۔

❖•❖•❖•❖•❖

جب بھی اہل حدیث کی سیاسی تاریخ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، تو مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ کا تذکرہ ہمیشہ مخالفین ''انگریز نواز''، ''وفادار برطانیہ'' جیسے ناپسندیدہ القاب سے کرتے ہیں۔ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کی زندگی کے اس پہلو کو نہایت واضح اور دوٹوک لفظوں میں، بغیر کسی تقلیدی سوچ کے بیان کیا جائے۔ کیونکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ ''اہل خیر'' لکھتے آئے ہیں اور اسی کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے بقول تمنا عمادی۔

لکھنے والے کچھ نہ کچھ حرف غلط لکھتے گئے
بس انہی لفظوں سے میری داستان بنتی گئی

مولانا بٹالوی نے انگریزوں کا جو عتاب اہل حدیثوں پر نازل ہو رہا تھا۔ اسے دور کرنے کی کوشش کی اور اس وقت ''بدنام وہابیوں'' کا دفاع کرنے کے لئے بعض ایسی باتیں کہہ گئے، بعض ایسے کام کر گئے، جن سے وفاداری حکومت کا گمان ہوتا ہے۔ ایسا صرف اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر کیا گیا۔ یہ یاد رہے کہ مولانا بٹالوی کا تحریک جہاد سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، نہ علماء صادق پور سے ان کی قربت کا کہیں کوئی ذکر ہے اور نہ سرحد کے مجاہدین سے رابطے کا کہیں کوئی تذکرہ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی باتوں اور ان کے کارناموں کو ''جماعت مجاہدین'' سے وابستہ کیا جائے۔ پوری تحریک کو محض مولانا بٹالوی کے خیالات وافکار کے مطابق ہی ڈھال دیا جائے ؏

ظلم اے دوست مرے بے حساب تو نہ کر

غور کرنے کا مقام ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی، جنہوں نے انگریزوں کے زیر سایہ پرورش پانے والے مرزا غلام احمد قادیانی کے مکروہ عزائم کا پردہ چاک کیا۔ جن کی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی وجہ کیا تھی؟

مولانا بٹالوی کے سامنے ۱۸۶۴ء کے مقدمات تھے جس میں علماء اہل حدیث کو سزائیں دی گئیں۔

ان کے سامنے مولوی محمد بن عبدالقادر حنفی کا رسالہ ''انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد'' تھا جس میں اہل حدیث کو قتل کرنے کی ترغیب دی گئیں۔

ان کے سامنے اپنے شیخ، شیخ الاسلام سید نذیر حسین محدث بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو حجاز میں علماء احناف کی مہربانی سے مشکلات کا کریہہ منظر تھا۔

یہ اور اسی طرح کے کئی اسباب ہیں جنہوں نے مولانا بٹالوی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر حالات یہی رہے تو عام اہل حدیث پر مظالم کا یہ سلسلہ مزید بڑھ سکتا ہے، ظلم کی یہ رات مزید طویل ہو سکتی ہے انہی اسباب پر غور کرتے ہوئے انہوں نے خود اور دیگر علماء اہل حدیث کو بھی انگریزوں

سے ناراضگی ختم کرنے کی روش اپنانے کا مشورہ دیا۔ دیگر علماء اہل حدیث نے تو ان کی یہ روش نہیں اپنائی مگر خود وہ کچھ ایسے کام کر گئے جو کہ عام اہل حدیث کے لئے شرمندگی کا سبب بن گئے۔ بہر حال ان کی نادانیوں کی فہرست علماء احناف کی ستم ریزیوں سے بڑھ کر نہیں، ہمیں اس میں بھی ان کا اخلاص نظر آتا ہے۔

انہی حالات کو دیکھتے ہوئے حکومت وقت نے انہیں "جاگیر" بھی عطا کی۔ یہ واحد اہل حدیث عالم دین ہیں جنہیں انگریزوں سے جاگیر ملی تھی۔ ورنہ بقول ہنٹر "ہر مسلمان ملا بھی وہابیوں کے خلاف پیچ وتاب کھارہا تھا اور ہم سے جاگیریں لے رہا تھا۔"

اس جاگیر کو آپ نے اپنی ذاتی منفعت کے لئے استعمال نہیں کیا اور انتقال کے وقت اس جاگیر کے ساتھ اپنی ذاتی جائیداد بھی اراضی فی سبیل اللہ بغرض تعلیم واشاعت دین وقف کر کے رجسٹری کر دی۔

میں نے مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی کی زندگی کے اس پہلو کو بغیر کسی تاریخ سازی کے نظر قارئین کر دیا ہے۔ گو کہ میں نے اس میں ان کا دفاع بھی کیا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ اب فیصلہ آنے والے وقت کے مؤرخ پر ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا فیصلہ دیتا ہے۔ ورنہ ہم نے تو ؏

دل اپنا کھول کے سرعام رکھ دیا

❖•❖•❖•❖•❖

بعض حضرات نے زبانی طور پر مجھ سے یہ بات کہیں کہ اس کتاب کا طرز تحریر نہایت سخت ہے، ان کے کہنے پر میں نے اس میں کچھ ترمیم بھی کی۔ مگر جہاں تک الفاظ کی سختی کا تعلق ہے تو وہ شاید اب بھی برقرار ہے۔

تحریری نقائص سے متعلق میں ارباب علم حضرات سے یہ گذارش کروں گا کہ وہ اسے درگذر

فرمائیں۔ یہ میری پہلی باضابطہ تحریری کاوش ہے، اپنی حد تک میں نے یہ کوشش کی ہے کہ کہیں بھی کوئی تحریری نقص یا عیب نہ رہے لیکن پھر بھی اگر کہیں اس کتاب میں کوئی تحریری نقص یا عیب موجود ہو تو اسے اس عاجز کی نوعمری کا خیال کر کے درخور اعتنا نہ سمجھا جائے۔

جہاں تک الفاظ کی سختی کا تعلق ہے تو اسے میں خود بھی پسند نہیں کرتا ہوں میں تو چاہتا ہوں کہ نہایت پیار و محبت کی زبان استعمال کروں —— عفو و کرم کے لہجے میں گفتگو کروں —— عجز وانکساری کی زبان سے کلام کروں —— چاشنی میں ڈوبے ہوئے الفاظ سے گویا ہوں —— مگر میں ایسا کر نہ سکا، اس کی وجہ کیا تھی۔ آیئے ذرا مقتدر و اکابر علمائے احناف کی تحریروں پر اک نظر ڈالیں۔

''اعلیٰ حضرت امام اہل سنت'' احمد رضا صاحب بریلوی کے ایک فتویٰ کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

''وہابیہ اصلاً مسلمان نہیں، ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے ان سے مصافحہ ناجائز وگناہ ہے جس نے کسی وہابی کی نماز جنازہ پڑھی تو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرے[1]۔''

جو شاہ اسماعیل اور نذیر حسین وغیرہ کا معتقد ہو ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے۔

''غیر مقلدین سب بے دین، پکے شیاطین، پورے ملاعین ہیں[2]۔''

''حاضرین میں وہابیہ کے تقیہ کا ذکر تھا کہ ان خبثاء نے تو روافض کو بھی مات کر دیا۔ وہ بھی ان سے تقیہ کرنا سیکھیں، جھوٹ فریب سے بہروپیئے بن کر اپنا مطلب نکالتے ہیں[3]۔''

---

(۱) فتاویٰ رضویہ: ۱۲۱/۲۔

(۲) سبحان السبوح: ۱۳۴۔

(۳) ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی: ۱۸۵، طبع فرید بک اسٹال لاہور۔

''شیخ الہند'' محمود الحسن دیوبندی نے ایک کتاب ''ایضاح الادلہ'' اہل حدیث عالم دین کے رد میں لکھی۔ اس میں جب انہیں مسلک اہل حدیث کے خلاف کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ مل سکی تو انہوں نے قرآن شریف کی ایک آیت میں اپنے مطلب کا اضافہ کر ڈالا ہے۔ بے شک یہی لوگ ہیں جو ؏

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

''حکیم الامت مجدد الملت'' اشرف علی صاحب تھانوی کی ایک حکایت سنتے چلئے:

''ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں تھوڑا سا غیر مقلد ہوں اور تھوڑا سا نیچری ہوں تھوڑا سا بدعتی ہوں اور شرح اس کی یہ فرمائی کہ میں ڈھولکی سنتا ہوں اس لئے تو بدعتی ہوں اور ترقی پر لیکچر دیتا ہوں اس لئے نیچری ہوں اور ظہر وعصر ایک وقت میں پڑھتا ہوں اس لئے غیر مقلد ہوں اب جنہوں نے ان مولوی صاحب کی تقریر سنی ہوگی ان کا تو پڑا ہوگیا ہوگا غرض چاروں طرف سے فتن ہے اور گمراہیوں کے جال ہیں[۱]۔''

یہ موصوف کی ''حکایت'' نہیں ''حرفت'' ہے۔

امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام شوکانی، امام ابن حزم، امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کو جو فحش گالیاں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تلمیذ خاص مولوی محمد حسن سنبھلی نے دی ہیں اس پر تو بازار آوارگی کے مکین بھی شرمائیں، حیا مانع ہے اور شرم آڑے ہے کہ اسے بیان کیا جائے، اس کے برعکس:

ہم تو بچ بچ کے بھی لکھتے ہیں تو مطعون کئے جاتے ہیں
شرمندہ پراگندہ تیرا ظلم سہے جاتے ہیں

اسی طرح محمد یوسف صاحب لدھیانوی کی چرب زبانی کا نمونہ دیکھتے چلئے:

''اہل حدیث حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے چونکہ تقلید کا رواج کئی صدیوں بعد

(۱) امثال عبرت: ۳۸ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔

ہوا ہے اس لئے وہ بدعت ہے مگر تقلید کو بدعت کہنا ان کی غلطی ہے اس لئے کہ اول تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ان اہل حدیث حضرات کے سوا — جن کا وجود تیرہویں صدی میں بھی نہیں تھا — باقی پوری امت محمدیہ گمراہ ہوگئی (۱)۔"

موصوف کے جواب میں ہمارے عصر کے مشہور اہل حدیث عالم دین مولانا ابوالمنہال صغیر احمد شاغف بہاری نے کیا خوب لکھا ہے کہ:

"لدھیانوی صاحب کو میں ایک نیک مشورہ دیتا ہوں۔ اگر یورپ میں کبھی جھوٹ بولنے پر مقابلہ اور انعام کا اعلان ہو تو آپ ضرور حصہ لیجئے میرا خیال ہے انعام ضرور آپ کو ہی ملے گا (۲)۔"

یہ سلسلہ بہت طویل ہے کس کس کا ذکر کیا جائے اور کون کون سی عبارت دکھائی جائی۔ ان علماء احناف (دیوبندی و بریلوی) کی بعض کتابوں میں اہل حدیث سے متعلق انتہائی فحش وعریاں کلمات تک درج ہیں یہاں ان سب کا احصاء ممکن نہیں عبارات کے چند نمونے دکھانے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ہماری تحریر میں کہیں بھی فحش کلمات نہیں اور طنز و تشنیع کے ایسے حربے بھی استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔

میرے دل کو دیکھ کر، میری وفا دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اس کتاب کا مقصد تالیف ایک بار پھر واضح کرتا چلوں کہ اس کا مقصد کسی قسم کی محاذ آرائی نہیں — کوئی پنجہ کشی نہیں — اور نہ ہی بحث و مباحث کا لاطوائل سلسلہ شروع کرنا ہے — بلکہ مقصد یہ ہے کہ برائے مہربانی آپ حضرات ہم "وہابیوں" پر بے دلیل الزامات لگانے سے گریز کریں۔ ایک طرف تو یہ پرفریب نعرہ لگاتے ہیں کہ "اپنا عقیدہ چھوڑو نہیں دوسرے کا عقیدہ چھیڑو

---

(۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۳۲، ۳۳۔

(۲) صراط مستقیم اور اختلاف امت: ۳۰۔

نہیں‘‘اور دوسری طرف ’’وہابیوں‘‘ کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں مفت تقسیم کرتے ہیں۔

ذیل میں ہم صرف ’’اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد ملت‘‘ شاہ احمد رضا خان بریلوی کی ’’ردوہابیت‘‘ میں لکھی گئی تصانیف کی مختصر سی فہرست پیش کر رہے ہیں، اس فہرست کو ہم مختصر اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اس ’’مجدد ملت‘‘ کے رشحات قلم سے، جو کہ ایک ہزار سے زائد تصانیف کے مصنف شہیر ہیں نامعلوم کتنی تصانیف ’’رد وہابیت‘‘ میں سپرد قلم وقرطاس ہوئی ہوں، فہرست ملاحظہ ہو:

۱۔ حل خطاء الخط۔

۲۔ سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ۔

۳۔ الآمر باحترام المقابر۔

۴۔ اقامۃ القیامہ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامہ۔

۵۔ النعیم المقیم فی فرحۃ مولد النبی الکریم۔

۶۔ بذل الصفا لعبد المصطفیٰ۔

۷۔ النذیر الہائل لکل جلف جاہل۔

۸۔ نسیم الصبا فی ان الا فان یحول الوبا۔

۹۔ الاہلال بفیض الاولیاء بعد الوصال۔

۱۰۔ جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلوۃ فی النعال۔

۱۱۔ طوالع النور فی حکم السرج علی القبور۔

۱۲۔ انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ۔

۱۳۔ حیات الموات فی بیان سماع الاموات۔

۱۴۔ انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار۔

۱۵۔ اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین۔

۱۶۔ النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید۔

۱۷۔ باب غلام مصطفیٰ۔

۱۸۔ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین۔

۱۹۔ جاہ القصیدہ البغدادیہ ملقب بہ الزمزمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ۔

۲۰۔ سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح۔

۲۱۔ الحجۃ الفائحہ بطیب التعیین والفاتحہ۔

۲۲۔ سرور العید فی حل الدعا بعد صلوۃ العید۔

۲۳۔ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن۔

۲۴۔ ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال۔

۲۵۔ الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ۔

۲۶۔ النیر الشہابی علی تدلیس الوہابی۔

۲۷۔ الامن والعلی لناعتی المصطفے بدافع البلا۔

۲۸۔ برکات الامداد لاہل الاستمداد۔

۲۹۔ فیح النسیرین بجواب الاسئلۃ العشرین۔

۳۰۔ الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ۔

۳۱۔ سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ۔

۳۲۔ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید۔

۳۳۔ وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح۔

۳۴۔ السیوف المحیفہ علی عائب ابی حنفیہ۔

۳۵۔ سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء۔

۳۶۔ اطائب التہانی فی النکاح الثانی۔

۳۷۔ جمیل ثناء الائمۃ علی علم سراج الامہ۔

۳۸۔ اعزالنکات بجواب سوال ارکات ملقب بہ الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی۔

۳۹۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین۔

۴۰۔ لوامع البہا فی المصر للجمعۃ والاربع عقیبہا۔

۴۱۔ النہی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز۔

۴۲۔ شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ۔

۴۳۔ النفحۃ الفائحۃ من مسک سورۃ الفاتحہ۔

۴۴۔ ہبۃ النساء فی تحقیق المصاہرۃ بالزنا۔

۴۵۔ الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین۔

۴۶۔ ازالۃ العاز بحجر الکرائم عن کلاب النار۔

۴۷۔ جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوۃ۔

۴۸۔ الجام الصاد عن سنن الضاد۔

۴۹۔ اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان وما یکون۔

۵۰۔ مالی الحبیب بعلوم الغیب۔

۵۱۔ قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار۔

۵۲۔ رادع التعسف عن الامام ابی یوسف۔

۵۳۔ المقال الباہر ان منکر الفقہ کافر۔

۵۴۔ اطائب الصیب علی ارض الطیب۔

۵۵۔ اظہار الحق الجلی۔

۵۶۔ معارک الجروح علی التوہب المقبوح۔

۵۷۔ الموہبۃ الجدیدہ فی وجود الحبیب بمواضع عدیدہ۔

۵۸۔ اصلاح النظیر۔

۵۹۔ اکمل البحث علی اہل الحدیث۔

۶۰۔ اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین۔

۶۱۔ ہادی الناس فی اشیاء من رسوم الاعراس۔

۶۲۔ ما تجلی الاصرار عن تجدید المصر۔

۶۳۔ فقہ شہنشاہ ان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ۔

۶۴۔ مفاد الحبر فی الصلوۃ بمقبرۃ او جنب قبر۔

۶۵۔ بدر الانوار فی آداب الآثار۔

۶۶۔ انباء الحی ان کتابہ المصون تبیان لکل شی۔

۶۷۔ دامان باغ سبحان السبوح۔

۶۸۔ الہادی الحاجب عن جنازہ الغائب۔

۶۹۔ قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام۔

۷۰۔ نور عینی فی الانتصار للامام العینی۔

۷۱۔ الجوہر الثمین فیما تنعقد بہ الیمین۔

۷۲۔ لمعۃ الشمعہ فی اشتراط المصر للجمعہ۔

۷۳۔ اللولو المعقود لبیان حکم امرأۃ المفقود۔

۷۴۔ ایذان الاجری اذان القبر۔

۷۵۔ رعایۃ المذہبین فی الدعاء بعد الخطبتین۔

۷۶۔ البارقۃ الشارقۃ علی المارقۃ المشارقۃ۔

۷۷۔ تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال۔

۷۸۔ جوابہائے ترکی بہ ترکی۔

۷۹۔ سیف المصطفیٰ علی ادیان الافتراء۔

۸۰۔ الاسد الصؤل علی اجتہاد الطرار الجہول۔

۸۱۔ نشاط السکین علی حلق البقر السمین۔

۸۲۔ صمصام حدید بر کولی بے قید عدو تقلید۔

۸۳۔ نہایۃ النصرہ برد الاجوبۃ العشرہ۔

۸۴۔ صمصام سنیت بگلوی بجدیت۔

۸۵۔ الاجتناب العمال عن فتاوی الجہال۔

۸۶۔ البرق الخیب علی بقاع طیب۔

۸۷۔ مبین الہدی فی نفی امکان مثل المصطفیٰ۔

۸۸۔ چابک لیث بر اہل حدیث۔

۸۹۔ الرد الناہز علی ذام النہی الحاجز۔

۹۰۔ پردہ در امرتسری۔

۹۱۔ الاسئلہ الفاضلہ علی الطوائف الباطلہ۔

جناب اعلیٰ حضرت کے ان ''علمی خزینوں'' کی فہرست کو اس بندہ ناچیز نے ''ملک العلماء'' مولانا ظفر الدین بہاری کی تصنیف ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' سے تیار کیا ہے۔ اس مختصر سی فہرست ہی سے اس طبقے کی ''جولانیوں'' کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور یہ بات دعوی سے کہی جا سکتی

ہے کہ ان تمام تصانیف میں ''وہابیوں'' کو مطعون وملعون کرنا ہی ''خامہ مجدد'' کا اصل مقصد تھا۔

ہم ''وہابیوں'' نے ہمیشہ اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کا جواب دیا ہے کبھی بھی بے دلیل الزامات نہیں لگائے (۱)۔ اور آپ حضرات ہماری کتابوں کے جواب دینے کی بجائے الزامات پر الزامات لگانے میں مصروف ہیں۔

میرے محترم دوستو! یہ موقع ایک دوسرے پر طنز و تشنیع کے تیر برسانے کا نہیں — ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کا نہیں — ایک دوسرے پر الزامات لگانے کا نہیں — ایک دوسرے سے دشنام طرازی کا سلسلہ شروع کرنے کا نہیں ہے بلکہ اسلام کو بین الاقوامی طور پر وہ مقام دلانے کا ہے جو آج ہم مسلمانوں کی نااتفاقی و ناچاقی کی بناء پر نہیں ہے، مل جل کر ''اتحاد بین المسلمین'' کی طرف قدم اٹھانے کا ہے جس سے آج ہم سب بلا تفریق کسی مسلک و مشرب کے غافل ہیں اگر ہماری بے حسی و بے خبری کا یہی عالم رہا تو۔

تار و پود پدری تو تہ و بالا ہوگی

بہر حال میں کوشش کروں گا کہ اپنی زندگی کی ساعتوں کو اپنی ہمتوں اور حوصلوں کو صرف احیائے اسلام کے لئے وقف کر دوں۔ میری آنکھیں انتظار دید میں تڑپ رہی ہیں ان وقتوں کے لئے جب اللہ کی سرزمین میں اللہ کا قانون رائج ہو جائے گا۔ میری قوت سماعت تکبیر مسلسل سننے کی منتظر رہیں گی۔ میری قوت گویائی ان آنے والے لمحات کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہے جو اسلام اور صرف اسلام کی نوید لائے گی۔

از طرف

پروردگار اعلیٰ کی رحمتوں کا طلب گار

محمد تنزیل

۱۴؍اگست ۱۹۹۷ء کراچی۔

---

(۱) الا چند ایک افراد کے جو کہ نام نہاد اہل حدیث ہیں اور مسلک اہل حدیث کے لئے باعث شرم۔

محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی کی دیگر تصنیفات

☆ روح نماز: حقیقت نماز پر ایک مختصر مگر جامع تصنیف، انشاءاللہ عنقریب شائع ہوگی۔

☆ تاریک دریچہ: دیار غیر میں مقیم محصورین پاکستان سے متعلق مختلف مقالات کا مجموعہ۔

☆ محدث ڈیانوی: مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے دادا بزرگوار محدث شمس الحق ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مختصراً قلمبند کئے ہیں شائع ہو چکی ہے۔

☆ ایک مسلمان گھرانہ: تقلید یورپ کے غلط اثرات اور اس کے تدارک نیز یہ کہ ایک اسلامی معاشرہ کس طرح تکمیل پا سکتا ہے اس میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

☆ یہ غازی یہ شہید: تحریک المجاہدین کی جہادی سرگزشت (نامکمل) جس کی تکمیل جناب محمد تنزیل کر رہے ہیں۔

☆ ۱۲/ اکسیرات اور ان کے معجزات: بایو کیمک دواؤں کی افادیت سے متعلق۔

محمد تنزیل کی دیگر تصنیفات

☆ یہ غازی یہ شہید: تحریک المجاہدین کی جہادی سرگزشت۔

☆ دیار ہند کے گمنام اکابر: دیار ہند کے گمنام اہل حدیث اکابرین کے حالات پر مشتمل یہ

کتاب عنقریب شائع ہوگی۔ اس کتاب پر مولانا محمد اسحٰق صاحب بھٹی نے تقریظ لکھی ہے۔

☆ سیرت امام شمس الحق ڈیانوی: کئی سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب امام شمس الحق ڈیانویؒ کی جامع سوانح حیات پر مشتمل ہے ان شاء اللہ عنقریب شائع ہوگی۔

☆ اسلام کے بطل جلیل القدر علامہ محمد جوناگڑھی: علامہ محمد جوناگڑھیؒ کی مختصر مگر جامع سوانح حیات، ان شاء اللہ عنقریب مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی سے شائع ہوگی۔

☆ ہندوستان کی تاریخ عمل بالحدیث: سرزمین ہند میں تحریک عمل بالحدیث کے نشوونما کی تاریخ۔

☆ نزول قرآن کا اصل مقصد: دنیا کی عظیم ترین کتاب کے نزول کے عظیم تر مقصد کا بیان۔

☆ ہمارے عہد کا بحران اور اسلام: موجودہ دور کے مسائل اور اسلام سے اس کا حل بیان کیا گیا ہے۔

☆ آج کا مسلمان: عہد رفتہ کے مسلمان کی کیفیت و حالات پر مشتمل یہ فکر انگیز کتاب ان شاء اللہ عنقریب شائع ہوگی۔

☆ تحریک نفاذ اسلامی میں اہل صادق پور کی خدمات: نفاذ اسلام کی خاطر اہل صادق پور کی خدمات کا مفصل تذکرہ۔

☆ درد جس کی کسک لازوال تھی: تاریخ اسلام کے دردناک واقعات کا پُرسوز تذکرہ۔

☆ اعلائے کلمۃ الحق: تقلید و عدم تقلید پر ایک مختصر مگر جامع تصنیف، جو کہ عنقریب شائع ہوگی۔

☆ روزہ اسلام کا رکن عظیم: اسلام کے رکن عظیم روزہ پر ایک فکر انگیز مقالہ۔

☆ عہد جدید کے قدیم لوگ: عصر حاضر کی معاشرتی حالت سے متعلق طنز و مزاح پر مبنی دلچسپ ناول۔

ترتیب و تحقیق:

☆ عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ اللنسوان للڈیانوی۔

☆ ہدایۃ النجدین الی حکم المعانقۃ والمصافحۃ بعد العیدین للڈیانوی۔

☆ فتویٰ رد تعزیہ داری۔

☆ فتاویٰ امام شمس الحق ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

☆ روح نماز از محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی۔

☆ ایک مسلمان گھرانہ۔

☆ تاریک دریچہ۔

❖◆❖◆❖◆❖

"جرح وتعدیل"

مصنف

ڈاکٹر اقبال احمد اسحاق بسکوہری

قیمت:-/160 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی۔ ۲۵

"حیات الصحابہ کے درخشاں پہلو"

مصنف

استاد ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا

قیمت:-/140 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی۔ ۲۵

"کاروان حدیث"

مصنف

عبدالرشید عراقی

قیمت:-/140 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی۔ ۲۵

"توضیح الکلام"

وجوب القرأۃ خلف الامام

مصنف

مولانا ارشاد الحق اثری

قیمت:-/185 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی۔ ۲۵

AHNAAF KI TAREEKHI GHALATIYAN

AL-KITAB INTERNATIONAL

Jamia Nagar, New Delhi-25